اسلام میں عورتوں کے حقوق کا عیسائیت کے ساتھ تقابلی جائزہ

A comparative analysis of women's right in Islam with Christianity

☆حافظہ اقصیٰ احمد

Abstract:

In the present era, an objection is frequently raised against Islam, claiming that it has not granted any rights to women, nor has it given them freedom, but instead, it has subjugated and oppressed them under male authority. This objection has been primarily raised by Christian Orientalists, leading to a societal environment where discussions about women's freedom and rights are widespread. Due to a general lack of knowledge, it has become essential today to address these concerns by conducting a comparative analysis of Christianity and Islam. In light of the Seerah (Prophet's life) and history, reasoned responses must be provided, highlighting that these objections stem from religious bias and animosity. The truth is that Islam has given women rights based on their dignity and respect, not to suppress or oppress them. Islam granted women the right to education, a share in inheritance, the right to choose in marriage, and the freedom to engage in business. These rights were provided over 1400 years ago, while in many other social systems, women either received these rights much later or are still struggling to attain them.

On the contrary, in Western society, women are often objectified under the guise of freedom, where their value is frequently judged based on physical appearance. The challenge today is to educate people about the true teachings of Islam and dispel the misconceptions and prejudices being spread about it. Islam not only honors women but also safeguards their rights completely. Moreover, in an Islamic society, a woman's status is determined by her character and abilities, not by superficial standards. Islam bestows great honor and respect upon women in their roles as mothers, sisters, daughters, and wives, a reverence that is rarely seen in other civilizations.

This detailed version emphasizes the significance of both Islamic rights for women and the contrast with societal misconceptions.

Key Words: Islam, Women's Right, Subjugation, Misconceptions, Dignity

---

☆ ریسرچ اسکالر، جامعۃ المحصنات کراچی

دور حاضر میں اسلام پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ اسلام نے عورت کو کوئی حقوق نہیں دیے اور نہ ہی اسے آزادی دی ہے، بلکہ اسے مرد کے ماتحت کر کے مظلوم بنادیا ہے۔ یہ اعتراض زیادہ تر عیسائی مستشرقین کی جانب سے اٹھایا گیا ہے، جس کے نتیجے میں آج معاشرے میں ایساماحول بن چکا ہے کہ ہر شخص عورت کی آزادی اور حقوق کی بات کرتا نظر آتا ہے۔ لوگوں کی کم علمی کے باعث آج ضرورت اس بات کی ہے کہ ان مسائل کو مد نظر رکھتے ہوئے عیسائیت اور اسلام کا تقابلی جائزہ لیا جائے، اور سیرت و تاریخ کی روشنی میں ان اعتراضات کے مدلل جوابات دیے جائیں کہ یہ اعتراضات صرف مذہبی عناد اور تعصب کی بناپر کیے جارہے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ اسلام نے عورت کو جو حقوق عطا کیے ہیں، وہ اس کے عزت و احترام کی بنیاد پر ہیں، نہ کہ اسے دبانے یا مظلوم بنانے کی غرض سے۔ اسلام نے عورت کو تعلیم حاصل کرنے کا حق دیا، وراثت میں حصہ دیا، شادی میں اپنی مرضی کا حق دیا، اور کاروبار کرنے کا اختیار بھی عطا کیا۔ یہ وہ حقوق ہیں جو اسلام نے 1400 سال پہلے دیے، جبکہ بہت سے دوسرے معاشرتی نظاموں میں عورت کو یہ حقوق یا تو بہت دیر سے دیے گئے یا ابھی تک حاصل نہیں ہوئے ہیں۔

عورت کے معنی اور تاریخ

عورت کے لغوی معنی:

عورت کے لفظ کا ماخذ عربی زبان ہے جس کا مطلب وہ اعضاء یا وہ حصے جنہیں ڈھانپا جائے، عورت یا زن (فارسی سے زنانہ) مادہ یا مؤنث انسان کو کہا جاتا ہے۔

عورت کے اصطلاحی معنی:

اصطلاحی معانی میں عورت ایسی مخلوق کا نام ہے جو شرم وحیا کا پیکر و منبع ہو۔ اگرچہ معنوی اعتبار سے تو یہ لفظ فقط بالغ اور اوسط عمر کی خواتین کے لئے استعمال ہوتا ہے لیکن بعض مقامات پر سہولت کی خاطر ہر عمر کی عورت کے لئے یہ لفظ برتا جاتا ہے۔ فارسی میں عورت کے متبادل کے طور پر زن اور انگریزی میں ومن استعمال ہوتا ہے.

حق کے لغوی معنی:

حق عربی زبان کا لفظ ہے اسکی جمع حقوق ہے، حق کے لغوی معنی سچائی، حقیقت پر مبنی، حصہ، فرض، ذمہ داری، اجرت، مزدوری اور اختیار کے ہیں۔

حق کے اصطلاحی معنی:

آزادی یا استحقاق کے قانونی، سماجی یا اخلاقی اصول ہیں، یعنی حقوق بنیادی معیاری قوانین ہیں جو کسی قانونی نظام، سماجی کنونشن یا اخلاقی اصول کے (Rights) حقوق مطابق افراد کو دیگر افراد کی جانب سے اجازت یا واجب الادا ہیں۔

عورت کی تاریخ:

خواتین کی تاریخ، عورتوں کی تاریخ یا تاریخ کا نسوانی مطالعہ دراصل تاریخ کے مطالعے کا وہ پہلو اور وہ شاخ ہے جو خواتین کے بارے، ان کے صفحات تاریخ کے ظاہری پس پردہ کرداروں، ان کے سماج حاصل مقام اور حقوق اور ان کے ساتھ روا رکھے گئے سلوکوں کا مطالعہ ہے۔ عورتوں کی بیشتر تاریخ مردوں نے لکھی ہے جس میں عورتوں کا کردار اور عمل ہمیشہ سے مردوں کا تابع رہا ہے۔ قدیم تہذیبوں سے ثابت ہوتا ہے کہ حجری دور میں مادرانہ نظام رائج تھا۔ عورت زمین جوتی، اناج چھیستی، روٹی

پکاتی، لباس سیتی، برتن بناتی، مویشی پالتی، باغ بانی کرتی، لکڑیاں کاٹتی، بچے پیدا کرتی اور گھر کی دیکھ بھال کرتی۔ زرعی معاشرے میں عورت زرخیزی اور پیداوار کی علامت تھی، مگر بل اور دیگر اوزار و ہتھیار کی ایجاد کے بعد فصلوں اور عام گھریلو زندگی سے عورتوں کی اجارہ داری ختم ہو کر ان کی سماجی حیثیت گھٹ گئی، مردوں کا رتبہ بڑھ گیا اور پدرانہ معاشرہ وجود میں آیا۔

عورتوں کے ساتھ امتیازی سلوک کرنے میں ہر عقیدے اور ہر طبقے نے بھرپور کردار ادا کیا ہے۔ تورات میں شوہروں کو ہدایت کی گئی ہے کہ بیویوں سے غلاموں جیسا سلوک کریں اور نافرمانی کی صورت میں مردوں کو اختیار دیا گیا کہ وہ بیویوں کو طلاق اور حتی کہ سزائے موت بھی دے سکتے ہیں۔ چرچ نے عورت کو کسی حد تک بے اختیار کیا۔ ماسون، اومولین، ٹالیڈو اور سینٹ آگسٹائن کی عورتوں سے یہاں تک نفرت تھی کہ ان کی بیٹیاں اور بھتیجیاں بھی ان سے دور رہتی تھیں اور ان کے گھروں میں عورتوں کا داخلہ بند تھا۔ وہ عورت کو مرد کی بگڑی ہوئی شکل قرار دیتے تھے۔ ان کو عورتوں کی آواز اور بالوں سے چڑ تھی۔ ہندو معاشرے میں ستی ایک بدنما رسم تھی جو راجہ رام موہن اور برطانویوں کی کوششوں سے ختم ہو گئی۔ راہبوں، پادریوں اور صوفیہ کرام نے شادی کرنے کے بجائے مجردانہ زندگی گزارنے کو ترجیح دی۔ ان کی کامیابی عورتوں سے دور رہنے میں تھی۔ وہ ادب، رقص اور موسیقی کو ناپسند کرتے تھے۔ مصری تاریخ میں بادشاہوں کے مرنے پر ان کی کنیزیں اور بیویاں بھی ان کے ساتھ دفنائی جاتی تھیں۔ سید علی ہجویری نے حوا کو آدم کے لیے پہلا فتنہ کہا ہے۔ صوفیہ کے نزدیک عورت وہ رقیب ہے جو مومنوں اور خدا کی محبت میں رکاوٹ ہے۔ امام غزالی کے نزدیک بیوی شوہر کی لونڈی ہوتی ہے۔

عورتوں کا سب سے زیادہ استحصال امراء اشرافیہ اور حکم رانوں نے کیا ہے۔ عورت کے تمام روپ سمیت کنیز، لونڈی اور طوائف مرد نے تراشے ہیں۔ عورتوں اور گھر کا تعلق بہت پرانا ہے مگر عورتوں اور حرم کا تعلق ایرانی اور بازنطینی بادشاہوں سے شروع ہوتا ہے۔ بادشاہوں کے مرنے کے بعد حرم میں مقید عورتوں کی عمر بھر شادیاں نہیں کرائی جاتی تھیں اور ان کی عام نگرانی اور ضروریات کی فراہمی کے لیے خواجہ سراؤں کو استعمال کیا جاتا تھا۔ مسلم حکم رانوں میں سب سے زیادہ عظیم الشان حرم عثمانی خلفا کا تھا۔ امیہ اور عباسی دور میں خوب صورت اور فنون لطیفہ میں ماہر کنیزوں کی بہت بڑی مانگ تھی۔ خلیفہ المتوکل کے پاس چار ہزار کنیزیں تھیں۔ خلیفہ یزید ثانی کی موت اپنی پسندیدہ کنیز کے سوگ میں واقع ہوئی تھی۔ مغلوں کے بھی شان دار حرم ہوا کرتے تھے۔ اکبر کے دودھ شریک بھائی مرزا عزیز کہا کرتے تھے کہ بیویاں چار ہونی چاہیے: ایک عراقی مصاحبت و گفت گو کے لیے، دوسری خراسانی امور خانہ داری کے لیے، تیسری ہندی ہم بستری کے لیے اور چوتھی ماوراء النہری مار پیٹ کے لیے۔ مغربیوں کے نزدیک مثالی عورت کا چہرہ انگریز عورت کا ہو، جسم جرمن کا ہو اور دل ربائی پیرس والی ہو۔ ہندستان میں طوائف کا عروج اس وقت ہوا جب عورت کو چار دیواری میں مقید اور تعلیم و تربیت سے محروم رکھا گیا۔ بنیادی طور پر طوائفوں کی بنیاد گھٹن زدہ گھریلو ماحول اور سماجی پابندیوں کی وجہ سے پڑ گئی۔

عورتوں کے لیے شادی تحفظ کی علامت ہے مگر جہیز کی لعنت نے اس سے کاروبار بنایا ہے۔ شادیاں عموماً والدین کی مرضی سے ہوتی ہیں اور رشتہ ناکامی کی صورت میں تعویذ گنڈوں کا سہارا بھی لیا جاتا ہے۔ برصغیر میں اشرافیہ، علماء ادبا اور حتی کہ سر سید بھی عورتوں کی تعلیم کے جزوی طور پر خلاف تھے، مگر انگریزوں کی آمد نے عورتوں کے حقوق کے حوالے سے نئی بحثیں چھیڑ دیں۔[i]

تاریخ میں کئی خواتین قائدانہ کردار نبھا چکی ہیں۔ ان میں کچھ خواتین کی مثالیں رضیہ سلطان، چاند بی بی، رانی لکشمی بائی، ملکہ وکٹوریہ، ملکہ ایلیزبیتھ اول اور ملکہ ایلیزبیتھ دوم رہے۔ کچھ خواتین اگرچیکہ خود فیصلہ سازی نہیں کرتی تھیں، مگر اپنے شوہر یا کسی رشتے دار سے اپنے کام کرواتی تھی۔ کچھ ملکاؤں کا ظاہری یا باطنی کردار نا معلوم ہوتا مگر ایک بادشاہ کے پاس ان کی کیا حیثیت رہی ہو گی، یہ کچھ حالات سے ظاہر ہوتا ہے۔ مثلاً مغل بادشاہ شاہجہاں نے اپنی ملکہ ممتاز محل کے گذر جانے کے بعد تاریخی تاج محل بنوایا جو آج بھی اپنی خوبصورتی اور شان و شوکت کے لیے مشہور ہے۔ ہندوستان میں ابتدائی ویدی دور میں صرف ایک شادی سماج میں قابل قبول تھی۔ مگر بعد کے ویدی دور سے تعدد ازواج کی گنجائش دیکھی گئی۔ مسیحی دنیا میں گرجا کے ارباب مجاز نے تعدد ازواج کو کافی پہلے سے ممنوع قرار دیا ہے۔ تاہم دنیا میں تقریباً ہر دور میں

حکمرانوں کی کئی بیویاں رہی ہیں۔ ان میں جو سب سے خاص ہوا کرتی تھی، اسے محل خاص کہا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ بادشاہوں کے حرم ہوا کرتے تھے جن میں کثرت سے باندیاں رہتی تھیں۔ باندیوں کا درجہ کبھی ملکہ کے مساوی نہیں ہوا کرتا تھا۔ نہ باندی سے پیدا ہونے والی اولاد کو پوری طرح سے شاہی خون تسلیم کیا جاتا تھا۔ قدیم یونانیوں کے دور سے جنگوں میں ہارنے والے مفتوحہ لوگوں کی عورتوں کے سلوک ایک موضوع بحث رہا ہے۔ کچھ جگہوں پر ان کے ساتھ زیادتیاں کی جاتی تھی اور کچھ جگہوں پر انھیں باندیاں بھی بنایا جاتا تھا۔ دوسری جنگ عظیم کے دوران جاپان کے کئی فوجیوں نے کوریائی خواتین کو اپنی ہوس کا نشانہ بنایا۔ اس بات کے لیے ہر جاپانی وزیر اعظم آج کے دور میں بھی جنوبی کوریا سے معذرت چاہتے رہتا ہے۔ اس کے علاوہ تاریخ کی اوراق پر عورتوں نے کئی نمایاں کام بھی کیے تھے جن کے لیے انھیں یاد کیا جاتا ہے۔ ہندوستان کی مشہور ریاضی دان خاتون لیلاوتی کو اپنی ریاضیاتی اور سائنسی مہارت کے لیے یاد کیا جاتا ہے اور اسی طرح سے کئی دنیا کی اور خواتین کو

یاد کیا جاتا ہے۔[ii]

عورت کا مقام

قبل از اسلام عورت کا مقام:

خاندانی نظام کے دو پہیے مرد اور عورت ہی ہیں ان میں سے اگر ایک نہ ہو تو یہ نظام تزوج اور نظام اسرت پہنچنا تو دور کی بات، وجود بھی نہیں پا سکتا لہذا ضروری ہے کہ خاندانی وعائلی نظام کے ان دو مرکزی کرداروں کو تحفظ اور اہمیت دے کر ان کی وجود اور حقوق کو تسلیم کر کے معمول بہ بنایا جائے پھر کہیں جا کر عائلی نظام باقی وجاری رہ سکتا ہے۔ اس تناظر میں اگر عرب سماج کا کردار و رویہ کا مطالعہ کریں تو انتہائی المناک اور انسانیت سوز کردار سامنے آتے ہیں بالخصوص عورت کے ساتھ ان کا سلوک جانوروں سے بھی کہیں بدتر رہا ہے۔ ان کے اس وحشت ناک کردار کو قرآن وحدیث میں بڑی وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے چنانچہ ایک جگہ قران مجید میں ہے۔

وَإِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُم بِالْأُنثَىٰ ظَلَّ وَجْهُهُ مُسْوَدًّا وَهُوَ كَظِيمٌ[iii]

"اور جب ان میں سے کسی کو بیٹی کی خوشخبری سنادی جاتی ہے تو اس کا چہرہ کالا پڑ جاتا ہے اور وہ دل ہی میں دل گھلنے لگتا ہے۔"

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ لڑکی کے پیدائش کو بھی برداشت نہیں کرتے تھے نیز اس اطلاع کے ملنے پر اس آیت سے ان کا فکری تبصرہ یوں ہوتا تھا:

يَتَوَارَىٰ مِنَ الْقَوْمِ مِن سُوءِ مَا بُشِّرَ بِهِ ۚ أَيُمْسِكُهُ عَلَىٰ هُونٍ أَمْ يَدُسُّهُ فِي التُّرَابِ ۗ أَلَا سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ[iv]

"اس برائی کی وجہ سے لوگوں سے چھپتا پھرتا تھا اور سوچتا کہ اس ذلت کو برداشت کر کے اپنے پاس رہنے دیں یا اس کو زمین میں گاڑھ دیں"

انھی حالات سے تنگ آکر عورت اس حالت پر جا پہنچی کہ "عورت جب بچہ پیدا کرنے کے قریب ہوتی تو کسی گڑھ کے کنارے بیٹھ جاتی اپنی نومولود کو گڑھے کے کنارد رکھ دیتی، اگر وہ بیٹی ہوتی تو اس کو گڑھے میں پھینک کر اس پر مٹی برابر کرتی اور اگر وہ بیٹا ہوتا تو اس کو باقی رکھتی تو کچھ اس کو زندہ دفن کر دیتے تھے اور مٹی تلے اس کی سانس نکل جاتی تھی اور کچھ لوگ بڑی عمر میں اسے زندہ دفنا کر اس پر ہاتھ صاف کر دیتے تھے۔

اسلام سے پہلے عرب سماج میں عورت کے ساتھ سلوک کا اندازہ اس بات سے لگائے کہ متوفی عنہا زوجہا جب اپنے شوہر سے عدت اور سوگ منانے کے لئے ایک سال تک ذلت، بدحالی، اور تکلیف میں رکھتے تھے۔ سال پورا ہونے پر وہ اتنی بری حالت میں ہوتی تھی کہ اس کے پاس کوئی جانور گدھا، پرندہ یا بکری لائی جاتی اور عدت کا خاتمہ پر اس کے ساتھ چھو کر پھینک دیتی تو بہت کم ہی وہ جانور زندہ رہتا بلکہ مرجاتا۔ عرب سماج میں عورتوں کے ساتھ سلوک کا دوسرا پہلو یہ بھی ہے کہ عرب سماج میں عورت

کے ساتھ اچھا سلوک کرتا تھا یہاں تک کہ بہت لوگ ایسے بھی تھے جو بیٹیوں کو پسند کرتے تھے، ان کے نام سے اپنی کنیت بنالیتے تھے اور ان کے مشورے کو توجہ سے سنتے تھے ممکن ہے۔[v]

عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں عورت کا مقام:

اسلام کا ابتدائی دور بڑی آزمائشوں کا دور تھا، ظہور نبوت کے بعد جب پہلی وحی کا نزول ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت بوجھل ہو گئی اور خوف لاحق ہو گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نبوت کی اس قدر بھاری ذمے داری کیسے پوری کر سکیں گے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم گھر پہنچے اور حضرت خدیجہؓ سے کہا" مجھے کمبل اوڑھا دو مجھے ڈر لگ رہا ہے"۔ حضرت خدیجہؓ نے کمبل اوڑھا دیا اور دلاسہ دیتے ہوئے کہا" خدا کی قسم اللہ تعالی کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بے آبرو نہیں کرے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم قریبی رشتے داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرتے ہیں، کمزوروں اور ناتوانوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں جو مفلس اور نادار ہو اس کو اپنی نیک کمائی سے حصہ دیتے ہیں۔ مہمان نوازی کرتے ہیں حق کی وجہ سے کسی پر کوئی مصیبت آجائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی مدد کرتے ہیں اور دست گیری فرماتے ہیں"۔

حضرت خدیجہ اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والی پہلی خاتون تھیں۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ ان کے بعد ایمان لائے۔ حضرت خدیجہؓ مکے کی امیر تاجر خاتون تھیں۔ انہوں نے قرآن پر عمل کرتے ہوئے اللہ کے راستے میں ساری دولت خرچ کر دی۔ جب شعب ابی طالب کے نظر بندی کیمپ میں رحلت فرمائی تو ان کے پاس کفن کے لیے پیسے نہیں تھے لہذا انہیں صوقعہ (اوڑھنی) میں ہی دفن کیا گیا۔ حضرت خدیجہؓ نے مصائب بھی برداشت کیے اور مالی قربانی بھی دی۔

اسلام کی پہلی شہید بھی ایک خاتون ابو جہل کی کنیز سمیہؓ تھیں۔ انہوں نے کلمہ پڑھ لیا۔ ابو جہل نے ان پر جبر و تشدد کیا مگر سمیہؓ نے اسلام ترک کرنے سے انکار کر دیا ابو جہل نے خانہ کعبہ کے سامنے ان کے سینے پر نیزہ مار کر شہید کر دیا۔

اسلام کی پہلی ہجرت حبشہ اور ہجرت مدینہ میں خواتین شامل تھیں۔ انہوں نے مردوں کے ساتھ سفر کی صعوبتیں برداشت کیں۔ حضرت عائشہؓ نے خواتین کی تعلیم و تربیت میں کلیدی کردار ادا کیا۔ سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اگلی نسلوں تک منتقل کیا وہ ہزاروں احادیث کی راوی ہیں۔

حضرت ام حبیبہؓ نے اپنے والد ابو سفیان کے ایمان لانے کا انتظار نہ کیا اور نہ ہی اپنے والد کی اجازت ضروری سمجھی اور اسلام قبول کر کے ثابت کیا کہ خواتین شعور کے لحاظ سے مردوں سے کم تر نہیں ہیں۔

تاریخ کی روشن مثال ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ اپنی بہن فاطمہؓ کی تلاوت سن کر ایمان لائے۔ حضرت عمرؓ کے جاہ و جلال کے باوجود فاطمہؓ نے اپنے بھائی سے اسلام قبول کرنے کی اجازت نہ لی اور جب حضرت عمرؓ نے اپنی بہن پر تشدد کیا تو انہوں نے استقامت کا مظاہرہ کرتے ہوئے حضرت عمرؓ کے دل میں نرمی پیدا کی اور اسلام کی اشاعت میں دلیرانہ کردار ادا کیا۔

اُم کلثوم بنت عقبہ ابھی کنواری تھیں کہ اسلام کی محبت ان کے دل میں پیدا ہو گئی وہ ہجرت کر کے مدینہ پہنچ گئیں۔ ان کے گھر والے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے اور اپنی بچی کی واپسی کا مطالبہ کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا مطالبہ مسترد کر دیا اور ثابت کیا کہ عورت مرد کی تابع مہمل مخلوق نہیں ہے اس کو معاشرے میں وہی حقوق حاصل ہیں جو مردوں کو حاصل ہیں اور خواتین اپنے فیصلے کرنے میں آزاد ہیں۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم خواتین کو بڑی اہمیت دیتے تھے۔ اُم ہانیؓ بنت ابو طالب نے ایک غیر مسلم کو پناہ دی۔ حضرت علیؓ اس کو قتل کرنا چاہتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ام ہانیؓ نے جسے پناہ دی ہم نے بھی اسے پناہ دی۔[vi]

آپ ﷺ خواتین کے مشورے کی قدر کرتے تھے۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر مسلمان ایک طرفہ معاہدے پر پریشان ہوگئے اور حج کے لیے قربانی سے گریز کرنے لگے۔ آپ ﷺ نے ام سلمہؓ سے مشورہ کیا انہوں نے کہا اللہ کے نبی ﷺ آپ قربانی اور بال کٹوانے کا آغاز کیجئے۔ آپ ﷺ نے مشورے پر عمل کیا۔ صحابہ نے بھی آپ ﷺ کی پیروی کی۔[vii]

عہد نبوی ﷺ میں خواتین نے جنگوں اور غزوات میں شرکت کی۔ زخمیوں کو پانی پلانے، مرہم پٹی کرنے، شہداء کی میتوں کو میدان جنگ سے واپس لانے کی ذمے داری بھی پوری کی۔ ام عمارہؓ آپ ﷺ کی سکیورٹی کے دستے میں شامل ہوئیں اور آپ ﷺ کی حفاظت کا فریضہ مردانہ وار ادا کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا "جنگ احد کے موقع پر جدھر بھی رخ کرتا ام عمارہؓ کو سامنے موجود پاتا۔

جنگ حنین میں بھگدڑ مچنے پر مسلمان مجاہد پسپا ہوئے۔ اس وقت جن درجن بھر صحابہ نے آپ ﷺ کو اپنے گھیرے میں لے لیا ان میں حضرت ابو طلحہ کی بیگم ام سلیمؓ بھی تھیں جن کے ہاتھ میں خنجر تھا۔ وہ کفار کو آگے بڑھنے سے روکتی رہیں اور آپ ﷺ کا دفاع کیا۔[viii]

ام عطیہؓ سات جنگوں میں شریک ہوئیں اور کیمپ کی حفاظت، کھانا پکانے اور زخمیوں کی تیمارداری کے فرائض انجام دیئے۔[ix]

اسلام کے ابتدائی دور میں خواتین نے مالی اور جانی قربانیاں دیں۔ اللہ کے رسول ﷺ خواتین کے ساتھ بہتر سلوک کرنے کی تلقین فرماتے آپ ﷺ نے اپنی ازواج مطہرات سے مثالی سلوک کیا۔ اگر رات کو دیر سے گھر آتے تو دبے پاؤں گھر میں داخل ہوتے تاکہ خواتین کی نیند میں خلل نہ آئے۔ ایک دن آپ ﷺ حضرت عائشہؓ کے حجرے کے دروازے پر کھڑے ہو کر حبشی نیزہ بازوں کے کرتب دیکھ رہے تھے جو مسجد کے متصل میدان میں کھیل رہے تھے۔ حضرت عائشہؓ آپ ﷺ کے پیچھے کندھے پر ٹھوڑی رکھ کر یہ کرتب دیکھنے لگیں۔ آپ ﷺ حضرت عائشہؓ کی خاطر اس وقت تک کھڑے رہے جب تک وہ خود پیچھے نہ ہٹ گئیں۔[x]

عورت قرآن کریم کی روشنی میں:

عورت اپنی خلقت اور زندگی کے امور میں مرد کے برابر ہے تو لازمی طور پر شرعی تکالیف اور واجبات میں بھی مرد کے برابر ہے۔ کیونکہ یہی واجبات اور تکلیف شرعی وہ معیار ہیں جن کی بنیاد پر انسان اپنے رب کا قرب حاصل کرسکتا ہے اور جنت کا مستحق قرار پاسکتا ہے۔ عورت کو یہ مقام قرآن کریم نے دیا ہے، جسے واضح طور پر قرآن کریم میں دیکھا جاسکتا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم نے سب سے پہلے عورت کی شخصیت کو مستقل اور کامل قرار دیتے ہوئے اسے ایک باوقار اور صاحب اختیار شخصیت قرار دیا ہے۔ پھر اسے اپنی زندگی کے معاملات کی مدیریت کرنے اور اپنے دینی امور کو منظم کرنے کی آزادی وغیرہ بھی دی ہے۔

الغرض ہمیں قرآن کریم میں کوئی ایسی چیز نظر نہیں آتی ہے جو عورت کو کسی طور پر بھی کسی سے کم تر شمار کرنے کا سبب بنے۔ یقینا اللہ تعالی عورت کو کسی طور پر کمتر دکھانے سے منزہ ہے۔ اسی طرح قرآن کریم نے اگر عورت کو مرد کے تابع قرار دیا ہے تو بھی اس کی قدر و قیمت میں کسی قسم کی کمی نہیں کی ہے۔ خاص کر دینی امور اور عبادات میں عورت کو قطعاً کسی سے کمتر قرار نہیں دیا ہے۔

اس سے بھی بڑی بات یہ ہے کہ اللہ تعالی نے قرآن کریم میں صراحت کے ساتھ ارشاد فرمایا ہے کہ عورت کی اپنی ایک الگ اور مستقل شخصیت ہے، خاص کر ایمان اور عقیدے کے حوالے سے عورت کو کسی کے بھی زیر تسلط قرار نہیں دیا گیا بلکہ اللہ تعالی یہ قبول ہی نہیں کرتا کہ عورت اس معاملے میں اپنی عقل کے علاوہ کسی اور کی بھی تابع ہو۔ خاص کر امور عقیدہ، دین، طہارت اور عبادات میں یہ کسی کی بھی تابع نہیں ہے۔ اس کی ایک بہترین مثال جو اللہ تعالی نے قرآن کریم میں بیان فرمائی ہے وہ حضرت آسیہ علیہا السلام بنت مزاحم کی ہے جو فرعون کی بیوی تھیں، فرمایا:

وَضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا لِّلَّذِينَ آمَنُوا امْرَأَتَ فِرْعَوْنَ إِذْ قَالَتْ رَبِّ ابْنِ لِي عِندَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ وَنَجِّنِي مِن فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهِ وَنَجِّنِي مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ[xi]

جس طرح حضرت آسیہ علیہا السلام باوجود اس کے کہ فرعون کی زوجیت میں تھیں تاہم اس کی تمام تر سرکشی اور قساوت قلبی کے باوجود اپنے ایمان پر قائم رہیں۔ خاص کر جب فرعون کو علم ہوا کہ حضرت آسیہ علیہا السلام بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دین پر ایمان لے آئی ہیں تو اس کی قساوت قلبی میں مزید اضافہ ہوا اور اس سے سختی سے حضرت آسیہ علیہا السلام کو دین موسیٰ کی پیروی سے منع کیا لیکن حضرت آسیہ علیہا السلام صاف انکار کرتے ہوئے نہ فقط حق اور حقیقت کا پرچار کرنے میں مصروف رہیں بلکہ آپ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے دین سے مربوط رہیں اور فرعون کی جعلی خدائی اور دیگر واہیات کی کھل کر مخالفت کی۔

آخر میں معاملہ آپ علیہا السلام کو قتل کیے جانے تک جا پہنچا تو آپ نے بخوشی اللہ تعالیٰ کی راہ میں شہادت کو قبول کرنا پسند کیا۔ لہٰذا تا ابد عورتوں کے لیے ایک مثال بن گئیں اور عالمین کی خواتین کے چار سرداروں میں سے ایک قرار پائیں۔ کیونکہ انہوں نے فرعون کے تمام تر غرور اور تکبر کو خاک میں ملاتے ہوئے اس کا ناجائز حکم ماننے سے انکار کیا جس کا اندازہ اس کی بات سے ہوتا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں نقل فرمایا ہے:

وَنَادَىٰ فِرْعَوْنُ فِي قَوْمِهِ قَالَ يَا قَوْمِ أَلَيْسَ لِي مُلْكُ مِصْرَ وَهَٰذِهِ الْأَنْهَارُ تَجْرِي مِن تَحْتِي ۖ أَفَلَا تُبْصِرُونَ[xii]

لیکن حضرت آسیہ علیہا السلام نے فرعون کی ساری نخوت اور متکبرانہ سلطنت کو مسترد کیا اور اس کی سلطنت میں حاصل تمام مراعات اور دنیاوی فوائد کو ٹھکرایا جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کا حصہ بناتے ہوئے کچھ یوں نقل فرمایا:

وَضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا لِّلَّذِينَ آمَنُوا امْرَأَتَ فِرْعَوْنَ إِذْ قَالَتْ رَبِّ ابْنِ لِي عِندَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ وَنَجِّنِي مِن فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهِ وَنَجِّنِي مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ[xiii]

لہٰذا قرآن کریم نے باطل سے انکار اور ہر قسم کے ظلم و بربریت کو مسترد کرنے کی وجہ سے حضرت آسیہ علیہا السلام کی عظمت کا اعلان فرمایا۔ اسی لئے حضرت آسیہ علیہا السلام کے لئے جہاں اللہ تعالیٰ کے ہاں بڑا بلند مقام حاصل ہے، وہاں ان کا کردار ایک قرآنی مثال بھی قرار پایا ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ ان کا کردار عورت کے استقلال کے لیے ایک دلیل بن گیا۔ خاص کر اگر عورت کسی ایسے مرد کی زوجیت میں ہے کہ اگر وہ مرد اللہ تعالیٰ کی رضایت کے خلاف عورت پر کسی قسم کی زبردستی کرنا چاہے تو عورت پورے استقلال کے ساتھ مقابلہ کر سکتی ہے۔ یہ معاملہ صرف حضرت آسیہ علیہا السلام تک محدود نہیں بلکہ اور بھی قرآنی شواہد موجود ہیں جو عورت کے استقلال پر دلالت کرتے ہیں۔ جیسے حضرت مریم علیہا السلام کی مثال ہے کہ جب معاشرہ کسی بھی بات پر عورت کے عذر کو قبول نہیں کرتا تھا تب حضرت مریم علیہا السلام پوری قوت کے ساتھ اپنی پاکیزگی کا اعلان فرماتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ پس یہاں بھی عورت کا کردار مثالی ہے۔ واضح رہے کہ قرآن کریم ان مثالوں کو اس لئے بیان کرتا ہے تاکہ ہر معاشرے میں عورت کو اس کے دین کے خلاف اٹھنے والے معاشرتی نفوذ کا مقابلہ کرنے کا حوصلہ ملے اور عورت اپنے رب کے اوامر و نواہی پر پوری آزادی کے ساتھ عمل کر سکے۔

چونکہ قرآن کریم عورت کے بارے میں عدل اور حق پر مبنی نگاہ رکھتا ہے اس لئے ہم قرآن کریم میں متعدد مقامات پر دیکھ سکتے ہیں کہ عورت کے استقلال کی بات کی گئی ہے۔ بلکہ بعض مقامات پر تو قرآن کریم عورت کی حکمت اور دانش مندی کا اقرار کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ چنانچہ حضرت بلقیس بنت شرحبیل کی دانشمندی کا اعتراف کرتے ہوئے ان کی دانشمندی کی ایک مثال نقل کرتا ہے کہ جب حضرت سلیمان علیہ السلام کی جانب سے خط موصول ہونے کے بعد ایمان قبول کرنے یا جنگ کے لیے آمادہ ہونے کی بات سامنے آگئی تو ملکہ سبا کی حیثیت سے انہوں نے اپنے وزیروں اور مشیروں سے جنگ کی بابت مشورہ لیا۔

اسی لامتناہی حکمت و دانشمندی اور اخلاقی جرات و شجاعت کی بناء پر حضرت بلقیس علیہا السلام کو دنیا کی باقی خواتین کے لئے قابل تقلید اور نمونہ عمل قرار دیا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی اس غیر معمولی ذہانت و ہوشیاری اور حکمت و دانشمندی کو قرآن کریم نے واضح لفظوں میں سراہا ہے اور انہیں قابل احترام اور قابل تقلید شخصیت قرار دیا ہے۔

پس ان قرآنی شواہد کے ذریعے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عورت ہر قسم کی طغیانی اور تجاوز گری سے مقابلہ کرنے کی طاقت رکھتی ہے اور کفر کے مقابلے میں پوری قوت سے کھڑی ہو سکتی ہے، اگرچہ کفر اپنے پورے عروج پر ہی کیوں نہ ہو۔ جیسا کہ حضرت آسیہ علیہا السلام کے کردار سے یہی معلوم ہوتا ہے۔ اسی طرح حضرت مریم علیہا السلام کے بارے میں قرآن کے بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ معاشرتی دباؤ جس قدر زیادہ اور جتنا بھی شدید ہو، ایک عورت نا فقط اس سے مقابلہ کر سکتی ہے۔ بلکہ حق کو ثابت کرنے کے لئے عورت پوری طرح ثابت قدم رہ کر معاشرے کو فتح کر سکتی ہے۔ اسی طرح حضرت بلقیس علیہا السلام کے قصے سے معلوم ہوتا ہے کہ حکمت اور دانش مندی رکھنے والی ایک عورت بڑے بڑے عزم و حوصلہ اور طاقت رکھنے والوں کی بھی ملکہ بننے کی اہمیت رکھتی ہے اور بڑے عقلمند مشیروں کی رائے سے زیادہ عورت کی رائے درست ثابت ہو سکتی ہے۔ بس انہی بنیادوں پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ صنف نسواں کو تاریخ میں اپنا ممتاز کردار ادا کرنے کے حوالے سے کوئی ممانعت نہیں اور عورت اگر پورے عزم و استقلال کے ساتھ اپنا کردار ادا کرنا چاہے تو اسے زور زبردستی کے ساتھ کوئی مغلوب نہیں کر سکتا۔ قرآن کریم نے عورت کی عظمت کو بیان کرنے کے لئے اور بھی قصے بیان کیے ہیں جس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ عورت نا فقط انسانیت اور تکلیف شرعی کے لحاظ سے مرد کے برابر ہے بلکہ عورت اپنی صفات کی وجہ سے اللہ تعالی کی برگزیدہ شخصیت بھی

بن سکتی ہے۔[xiv]

احادیث مبارکہ کی روشنی میں عورت کا مقام:

عورتوں کے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں جتنے اہم ارشادات دیے، وہ نہ صرف ان کے حقوق کے تحفظ کے لیے بلکہ ان کے مقام و مرتبے کی بلندی کے لیے بھی ہیں۔ آپ کی تعلیمات نے عورت کو ایک عزت و احترام کا مقام دیا اور اس کی اہمیت کو معاشرتی سطح پر اجاگر کیا۔ اسلام سے پہلے عورت کو حقیر سمجھا جاتا تھا، مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کے بارے میں ایسی رہنمائی فراہم کی کہ وہ معاشرتی، اقتصادی، اور روحانی زندگی کے ہر پہلو میں اپنی جگہ بنانے میں کامیاب ہوئیں۔ آپ نے فرمایا کہ "جنت ماں کے قدموں تلے ہے، جس سے عورت کے مقام کو بلند کیا اور اس کی اہمیت کو تسلیم کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ ارشادات نہ صرف خواتین کے لیے رہنمائی کا ذریعہ ہیں، بلکہ وہ پوری امت کے لیے ایک عادلانہ اور متوازن معاشرتی نظام کی بنیاد فراہم کرتے ہیں۔

اس کے بعد، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مختلف ارشادات پر روشنی ڈالنا ضروری ہے تاکہ ہم بہتر طور پر سمجھ سکیں کہ آپ نے عورتوں کو کس انداز میں حقوق دیے اور ان کے حوالے سے کس نوعیت کی تعلیمات فراہم کیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خواتین پر رحمت و شفقت:

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَتِ النِّسَاءُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: غَلَبَنَا عَلَيْكَ الرِّجَالُ، فَاجْعَلْ لَنَا يَوْمًا مِنْ نَفْسِكَ، فَوَعَدَهُنَّ يَوْمًا لَقِيَهُنَّ فِيهِ، فَوَعَظَهُنَّ وَأَمَرَهُنَّ متفق علیہ[xv]

"حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ صحابیات حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں عرض گزار ہوئیں: (یارسول اللہ!) آپ کی جانب سے فیض پانے میں) مرد ہم سے آگے نکل گئے لہذا ہمارے استفادہ کے لیے بھی ایک دن مقرر فرما دیجئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن کے لئے ایک دن مقرر فرما دیا۔ اُس دن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُن سے ملاقات فرماتے، انہیں نصیحت فرماتے اور اللہ تعالی کے احکام بتلاتے۔"

ایک اور مقام پر اللہ کے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ:

عن ابن عمررضي الله عنهما قال : وجدت امر أية مقتولة في بعض مغازي رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم فنحى رسول الله صلى الله عليه و آله وسلم عن قتل النساء والصبيان[xvi]

"حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کسی غزوہ میں ایک مقتول عورت پائی گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے کی سختی سے ممانعت فرمادی۔"

ایک اور جگہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

عن انس رضى الله عنہ قال: كان النبي صلى الله عليہ وآلہ وسلم حاد ، يقال له: أنجثه، وكان حسن الصوت، فقال له النبي صلى الله عليہ وآلہ وسلم : رويدک يا انجشه، الا تكسر القوارير يعني ضعفة النِّسَاءِ [xvii]

"حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دربارِ اقدس میں انجشہ نامی ایک خوش الحان حدی خواں تھا (جب اس کی حدی خوانی سے اونٹ تیز رفتاری سے دوڑنے لگے تو) حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے فرمایا: اے انجشہ! نرمی کرو کہیں شیشوں کو نہ توڑ دینا، یعنی نازک سی عورتوں کو تکلیف نہ دو (اونٹوں کی رفتار کم کرلو)۔

ایک اور حدیث مبارکہ ہیکہ :

عن ابي هريرة رضى الله عنہ قال: جاء رجل إلى رسول الله صلى الہ عليہ وآلہ وسلم فقال: يار سول الله من أحق الناس بحسن صحابتي ؟ قال : أمک ، قال : ثم من قال: فثم امک قال: ثم من ؟ قال : ثم امک قال : ثم من ؟ قال : ثم أبوك . متفق عليه[xviii]

"حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک آدمی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کیا: یارسول اللہ لوگوں میں سے میرے حسن سلوک کا سب سے زیادہ حقدار کون ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تمہاری والدہ۔ اس نے عرض کیا: پھر کون ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تمہاری والدہ۔ اس نے عرض کیا: پھر کون؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: پھر تمہاری والدہ ہے۔ اُس نے عرض کیا: پھر کون؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: پھر تمہارا والد ہے۔"

مغرب میں عورت کی حیثیت تاریخی تناظر میں

مغرب میں عورت کی حیثیت تاریخی تناظر میں ایک پیچیدہ اور مسلسل بدلتی ہوئی داستان ہے۔ مغرب کی صنعتی انقلاب نے جہاں اپنے معاشرے کی سیاسی، سماجی اور معاشی زندگی میں تغیر پیدا کیا وہاں بالخصوص حقوق نسواں کا خوبصورت اور دلفریب نعرہ بھی بلند کیا، ساتھ ہی دنیا میں لاکھوں افراد کو لقمہ اجل بنانے والی جنگ عظیم اول نے مردوں کی ان ہلاکتوں کی وجہ سے ایک ایسا خلا پیدا کر دیا جس کو پر کرنا باقی بچ جانے والے مردوں کے بس کی بات نہ تھی، چنانچہ آزادی اور حقوق نسواں کا نعرہ مزید بلند

ہوا، خواتین کو گھر سے باہر نکل کر معاشی طور پر مستحکم ہونے کا موقع ملا۔ انہوں نے اپنے لیے اجرتوں میں مساوات کا مطالبہ کیا، ووٹ دینے کا حق طلب کیا، تاکہ اسے حق جتانے اور اپنے مطالبات منوانے کے لیے آواز اٹھانے کا موقع مل سکے، پھر اس نے پارلیمنٹ میں نمائندگی کا حق چاہا، تاکہ وہ مساوات کو بجا ثابت کرے اور اسے تسلیم کرانے کے لیے مثبت طور پر آواز بلند کر سکے۔

بقول ڈاکٹر خالد علوی

صنعتی انقلاب نے کسانوں کو دیہاتوں سے شہروں میں منتقل کیا، اور عورتوں کو حالات کے جبر کی وجہ سے معاشی جدوجہد میں شامل ہونا پڑا، اور اس کے نتیجے میں عورتوں کی اجرت اور دیگر حقوق کی تحریک شروع ہوئی، حقوق کی مساوات ہی وہ بنیادی نعرہ تھا، جس پر حقوق نسواں کی تحریک چلتی رہی، اس دوران مغربی عورت نے اپنی جدوجہد کو جاری رکھا، اور آہستہ آہستہ مردوں کی حمایت حاصل کی، کانفرنسیں، قرار دادیں اور مظاہرے اس جدوجہد کا اہم حصہ رہے ہیں، اس دوران پہلی اور دوسری جنگ عظیم برپا ہوئی، تو اس میں عورتوں پر بھی دوسرے افراد معاشرہ کی طرح مصیبت آئی اور اُسے ان جنگوں میں فعال حصہ بھی لینا پڑا، ان جنگوں میں مردوں کی بڑی تعداد کام آئی تو عورتوں کو نئی ذمہ داریاں اور نئے کام انجام دینے پڑے، یہی وہ وقت ہے جب اسے زیادہ آزادی کے ساتھ کام کرنے کے مواقع ملے۔

چنانچہ انفرادی اور اجتماعی سطح پر جدوجہد کے بعد عورت کے حقوق کے لیے قوانین بنائے گئے، مختلف سطح پر زبانی، تحریری اور تشہیری مہم کے ذریعے حقوق نسواں کی نہ صرف آواز بلند کی گئی بلکہ اُس کو اُس کی اصلی حیثیت اور قدرو منزلت دینے کے بلند بانگ نعرے بلند کئے گئے یہاں تک کہ اس تصور نے جڑ پکڑ لی کہ

قدرت نے جن قوتوں اور قابلیتوں سے مرد کو مسلح کیا ہے، بعینہ انہی قوتوں اور قابلیتوں سے عورت کو بھی مسلح کیا ہے، اور مرد جو کچھ کر سکتا ہے، عورت بھی وہ کچھ کر سکتی ہے، اس لیے معاشرے میں عورت اور مرد کی جدوجہد کا دائرہ بھی ایک ہونا چاہیے۔

چنانچہ عورت گھر کے مخصوص دائرے اور ذمہ داریوں سے نکل کر بیرونی دنیا کے وسیع دائرے میں مرد کی طرح محنت و مزدوری اور کسب معاش کے لیے نکلی اور اس نے نہ صرف معاشرے کی سیاسی، معاشی، تعلیمی اور سائنسی شعبہ جات میں اپنی ذمہ داریاں نبھائی بلکہ ان مختلف شعبہ ہائے زندگی میں بھی اپنا کردار ادا کیا جہاں صرف اور صرف مردوں کی حکمرانی تھی۔ بقول Kirsten Amundsen

In fact, more than 31 million adult women are now at work. They constitute at this time about 40% of our total work force

Tatyana Mamonova رقمطراز ہیں کہ:

The U.S.S.R has the highest female labour force participation rate of any modern industrial society. The percentages of women in such profession as medicine, law and engineering for exceed comparable western rates. Similarly, the percentages of women engaged in agriculture, construction and metal working remain high.

بقول ڈاکٹر عابد علی:

یورپ کے مرد نے جو عورت کو آزادی دی، وہ بظاہر آزادی تھی، لیکن حقیقی آزادی نہ تھی، اس آزادی و مساوات کا محض یہ مطلب تھا کہ مرد عورتوں سے ہر جگہ خدمت لیں، نوکریاں کروائیں اور بھاری بوجھ اٹھوائیں اور مردوں کی عیاشی کا آسانی سے شکار بن سکیں۔

مرزا محمد حسین مغربی معاشرے کی ایک جھلک یوں پیش کرتے ہیں:

The west whose devotees assert its superiority over the whole world, is stranger to domestic peace and happiness. Their homes are racked and wracked by cat and dog life

انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا میں ہے۔

Women also earn less than men in the same kind of job. For example, the medium pay of women workers in the U.S.A was 59٪ that of men in 1970

محمد رفیق چوہدری Man an Women کے مصنف مان نکلس کے حوالے سے تحریر کرتے ہیں کہ:

آج بھی ایک اوسط امریکی بیوی گھر کے کام کاج پر اتنا ہی وقت صرف کرتی ہے جتنا کہ اس کی دادی کیا کرتی تھی اسے عام طور پر ہفتہ میں گھریلو کام کاج پر 53 گھنٹے صرف کرنے پڑتے ہیں اور یہ سوچنے کی ٹھوس بنیاد موجود ہے کہ دوسرے ملکوں میں بھی صورت حال اس سے کچھ مختلف نہیں ہے، علاوہ ازیں اس پر زور مطالبے کے باوجود کہ مردوں کو بھی گھریلو ذمہ داریوں کے بوجھ کو سنبھالنے میں عورتوں سے تعاون کرنا چاہیے، عملی طور پر ایسا نہیں ہو رہا، مرد گھریلو کام کاج سے آج بھی پہلے کی طرح دور ہے، یہی نہیں بلکہ روزی کمانے والی وہ عورتیں جن کے اپنے بچے نہیں ہیں، خرید و فروخت، کپڑوں کی دھلائی، گھر کی صفائی اور اسی قسم کے دوسرے کام بھی خود ہی کر رہی ہیں۔[xix]

ابتدا میں، قدیم یونان اور روم جیسے معاشروں میں عورتوں کو زیادہ تر گھریلو دائرے تک محدود رکھا گیا تھا۔ یونان میں خواتین کو سیاسی اور سماجی زندگی سے باہر رکھا جاتا تھا، اور ان کا کردار زیادہ تر خاندان اور اولاد کے نگہبان کے طور پر محدود تھا۔ روم میں بھی عورتوں کو مردوں کے تابع سمجھا جاتا تھا، تاہم یہاں عورتوں کے لیے کچھ قانونی حقوق تھے جیسے وراثت اور شادی کے حقوق۔

وسطی دور (Middle Age) میں، خاص طور پر عیسائیت کے اثر و رسوخ کی وجہ سے، عورتوں کی حیثیت میں اور بھی کمی آئی۔ مذہبی اداروں نے عورتوں کو کمتر اور مردوں کے تابع سمجھا، اور انہیں تعلیم اور معاشرتی سرگرمیوں سے دور رکھا گیا۔ اس دور میں عورتوں کی بنیادی ذمہ داریوں میں گھریلو کام، بچوں کی پرورش، اور شوہروں کی خدمت شامل تھی۔

رنسانس (نشاۃ ثانیہ) اور اس کے بعد کے عہد میں، جب یورپ میں سائنسی اور ثقافتی ترقی ہوئی، عورتوں کی حیثیت میں آہستہ آہستہ تبدیلی آئی۔ لیکن یہاں بھی عورتوں کو سماجی اور اقتصادی سطح پر مردوں سے کمتر سمجھا جاتا تھا۔ اٹھارویں صدی کے آخر میں، خاص طور پر فرانسیسی انقلاب اور امریکی انقلاب کے اثرات کے بعد، عورتوں کے حقوق کے لیے آوازیں بلند ہونا شروع ہوئیں، اور پہلی بار انہیں سیاسی اور قانونی حقوق دینے کی بات کی گئی۔

انیسویں صدی میں، مغرب میں عورتوں کے حقوق کی تحریکوں کا آغاز ہوا، جنہوں نے تعلیم، ووٹنگ کے حقوق، اور جائیداد کے حقوق کے لیے جدوجہد کی۔ سب سے اہم تبدیلیوں میں سے ایک خواتین کا ووٹ کا حق تھا، جسے مختلف مغربی ممالک میں مختلف اوقات میں تسلیم کیا گیا۔ بیسویں صدی میں خواتین کے حقوق کی تحریک نے مزید زور پکڑا، اور مختلف معاشرتی، اقتصادی، اور سیاسی شعبوں میں خواتین کی شمولیت میں اضافہ ہوا۔

اس تاریخی تناظر میں دیکھا جائے تو مغرب میں عورت کی حیثیت ایک مسلسل ارتقاء کا نتیجہ ہے، جو وقت کے ساتھ بدلتا رہا اور عورتوں کی جدوجہد اور تحریکوں کے ذریعے

آگے بڑھا۔

یونان میں عورت:

ارسطو کا خیال تھا کہ عورت کی پیدائش نامکمل حمل کے نتیجے میں ہوئی تھی اس لیے وہ ناقص العقل اور ادھوری ہے۔ ارسطو ہی نہیں، دوسرے یونانی مفکروں کے نزدیک بھی عورت تمام برائیوں کی جڑ تھی۔ یونانی مفکرین کے اس نظریے نے نہ صرف یونان، بلکہ آگے چل کر عیسائی دنیا میں بھی عورت کے بارے میں ان خیالات کو مستحکم کیا۔

آٹھویں صدی قبل مسیح میں یونان میں شہری ریاستوں کا ظہور ہوا۔ ان میں خاص طور پر ایتھنز اور پارٹا کی ریاستیں اپنی علیحدہ علیحدہ خصوصیات کی وجہ سے مشہور تھیں۔ اس لیے ان دونوں ریاستوں کے ماحول میں عورت کی حقیقت بھی مختلف تھی۔ ایتھنز میں فلسفی، ڈرامانگار، سیاست دان، مجسمہ تراش اور دوسرے ماہرین تھے۔ ان لوگوں نے اپنے نظریات اور افکار کے ذریعے یونان کے معاشرے میں عورت کی حیثیت کا تعین کیا۔

عورت کے کمتر درجے کی وجہ سے یونان کی جمہوریت میں عورت کی کوئی حیثیت نہیں تھی۔ اسے شہریت کا حق تھا، نہ وہ ووٹ دے سکتی تھی نہ اسمبلی میں شریک ہو سکتی تھی، نہ جائیداد کی وارث ہو سکتی تھی اور نہ ہی کسی سرکاری عہدے پر فائز ہو سکتی تھی۔

اسے بازار جانے اور سودا سلف خریدنے کی بھی اجازت نہ تھی۔ گھر میں مردانہ اور زنانہ حصے ہوا کرتے تھے۔ مکان کا بالائی حصہ عورتوں کے لیے مخصوص تھا۔ مرد نیچے کے حصے میں رہتے تھے۔ اگر وہ دوستوں کی دعوت کرتا تو اس کے لیے نچلی منزل کا ایک کمرہ مخصوص ہوتا تھا۔ عورت کو یہ بھی اجازت نہیں تھی کہ اگر مرد گھر پر نہ ہو اور کوئی مہمان آئے تو وہ اس سے بات چیت کر سکے۔ عورت کو کسی دعوت میں یا محفل میں بھی جانے کی اجازت نہیں تھی۔ صرف چند تہواروں اور رشتہ دار کی تدفین کے موقعے پر وہ نکلتی تھی۔

ان پابندیوں کی وجہ سے یونانی عورتیں اپنی ذہنی صلاحیت کا اظہار نہیں کر سکتی تھیں اس لیے ادب، آرٹ، موسیقی، اور دوسرے فنون میں ان کا کوئی حصہ نظر نہیں آتا۔ سوائے سیفو (وفات: 570ق م) کے نام پر جس کی عشقیہ شاعری کو دبا دیا گیا تھا مگر اب محققین اسے سامنے لا رہے ہیں۔

اپنے آپ کو صحت مند رکھنے کے لیے عورتیں کھیلوں میں حصہ لیتی تھیں۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ وہ صحت مند اولاد پیدا کریں۔ وہ پردے کی پابند نہ تھیں اور گھر کے باہر کے کام کاج بھی کرتی تھیں اور آپس کی محفلوں میں شریک بھی ہوتی تھی۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ دو قسم کے ماحول اور حالات نے معاشرے میں عورت کی حیثیت کا تعین کیا۔ لیکن آنے والے حالات میں یورپ میں عہد وسطی کا معاشرہ ایتھنز سے زیادہ متاثر ہوا اور اس میں عورتیں پابندیوں کا شکار ہوئیں۔[xx]

مصر میں عورت:

مصر میں بھی عورت کی کوئی قدر و قیمت نہ تھی اسے حقیر جان کر انسانیت کے تمام حقوق سے محروم کیا گیا۔ فدا حسین ملک کے بقول:

مصری عورت کی حقوق تلفی کا یہ حال تھا کہ اگر کوئی شخص مر جاتا تو اسکی قبر میں اسکی بیوی کو بھی ساتھ ہی دفن کر دیا جاتا تھا۔ قحبہ گری عام تھی۔ مصری فراعنہ کے حرم میں بے انتہاء عورتیں تھیں اکثر وہ اپنی سگی بہنوں سے شادی کر لیا کرتے تھے۔[xxi]

مصر میں اگرچہ جمال عبدالناصر نے عورتوں کو ووٹ کا حق دے دیا تھا مگر گھر سے باہر جانے کے لئے عورت کو شوہر کی اجازت یا کورٹ آرڈر لینا ضروری ہوتا تھا۔ اگر بیوی شوہر کی اجازت کے بغیر گھر سے باہر چلی جاتی تو اس کو گھر سے بے دخل کر دیا جاتا تھا۔[xxii]

لیکن مصر کے متعلق یہ بھی آتا ہیکہ قدیم تہذیبوں میں سے صرف مصری تہذیب ایسی ملتی ہیکہ جسمیں عورت کو اچھا مقام حاصل تھا، جہاں عورت حکمران بھی بنی، لیکن یہ حق عورت کو صرف اسوقت حاصل ہوتا تھا جب شاہی خاندان میں کوئی مرد وارث نہ ہوتا تھا۔ قدیم مصری نقشے جو ملے ہیں انہیں ۴۷۰ بادشاہوں کے مقابلہ میں صرف ۵ ملکہ خواتین کا تذکرہ ملتا ہے۔ جب اسلامی ریاست مصر تک پہنچی تو اسوقت نہایت ایک رسم بد موجود تھی ہر بارہ مہینوں کے بعد ایک کنواری نوجوان لڑکی کو دریائے نیل میں پھینکا جاتا تھا انکا عقیدہ یہ تھا کہ اس عمل سے دریا میں جوش آئے گا اور خوب پانی آے گا، اس رسم بد کو اسلامی خلیفہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ختم کرایا۔[xxiii]

روم میں عورت:

رومی سماج میں خاندان کا سربراہ باپ ہوتا تھا یا شوہر اسے اپنی بیوی بچوں پر پورا اختیار حاصل تھا اور وہ عورت کو جب چاہے گھر سے نکال سکتا تھا۔ جہیز یا دلہن کے والد کو نذرانہ دینے کی رسم کچھ بھی نہ تھی اور باپ کو اس قدر اختیار حاصل تھا کہ جہاں چاہے اپنی لڑکی بیاہ دے، بلکہ بعض دفعہ تو وہ کرائی گئی شادی کو توڑ سکتا تھا۔ زمانہ مابعد یعنی دور تاریخی میں یہ حق باپ کی طرف سے شوہر کی طرف منتقل ہو گیا اور اب اس کے اختیارات یہاں تک وسیع ہوگئے کہ وہ چاہے تو بیوی کو قتل کر سکتا تھا۔ ۵۲۰ سال تک طلاق کا کسی نے نام بھی نہ سنا۔ البتہ عورت کی طبعی کمزوریوں کی بنا پر اسے بعض سہولتیں دی گئی تھیں۔ اس میں شک نہیں کہ بعد کے ادوار میں رومیوں نے اس کو حقوق دیئے، لیکن اس کے باوجود یہ ایک حقیقت ہے کہ اس کو مرد کے مساوی درجہ کبھی نہیں ملا۔

علامہ فرید وجدی رومی عورت کی حالت زار پر لکھتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: "رومی مردوں نے اپنے عورتوں پر گوشت کھانا، ہنسنا اور بات چیت کرنا بھی حرام قرار دے دیا تھا، یہاں تک کہ ان کے منہ پر "موزسیر" نامی ایک مضبوط تالا لگا دیا تھا، تاکہ وہ کچھ بھی بول نہ سکیں اور یہ حالت صرف عام عورتوں کی نہیں تھی، بلکہ رئیس اور امیر، کمینے اور شریف، عالم اور جاہل سب کی عورتوں پر یہ آفت پڑی ہوئی تھی۔ پھر عورت کا قید و بند اور بھی بڑھا، یہاں تک کہ سترھویں صدی عیسوی میں خاص روما میں اعلیٰ درجے کے قابل اور فاضل لوگوں کا ایک جلسہ ہوا، جس میں یہ سوال سامنے لایا گیا کہ: "کیا عورت میں جان بھی ہے کہ نہیں؟"[xxiv]

سید جلال الدین روم میں عورت کی حیثیت وحالت پر تبصرہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

غلاموں کی طرح عورت کا مقصد بھی خدمت اور چاکری سمجھا جاتا تھا، مرد اسی غرض سے شادی کرتا تھا کہ بیوی سے فائدہ اُٹھا سکے گا، وہ کسی عہدہ کی اہل نہیں سمجھی جاتی تھی، حتی کہ کسی معاملے میں اس کی گواہی تک کا اعتبار نہیں تھا۔ رومی سلطنت میں اس کو قانونی طور پر کوئی حق حاصل نہ تھا۔

مولانا مودودی اس دور کی عکاسی اُسی تہذیب کے فلاسفر اور مصنفین کے ذریعے کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

اس دور میں عورت کے بعد دیگرے کئی کئی شادیاں کرتی جاتی تھی مارشل (۴۳ تا ۱۰۴ء) ایک عورت کا ذکر کرتا ہے جو دس خاوند کر چکی تھی، جو دنیل (۲۰ تا ۱۳۰ائی) ایک عورت کے متعلق لکھتا ہے کہ اس نے پانچ سال میں آٹھ شوہر بدلے، سینٹ جروم (۱۳۴۰ تا ۴۲۰) ان سب سے زیادہ ایک باکمال عورت کا حال لکھتا ہے جس نے آخری بار تیسواں شوہر کیا تھا، اور اپنے شوہر کی بھی وہ اکیسوی بیوی تھی۔[xxv] اس دور میں عورت اور مرد کے غیر نکاحی تعلق کو معیوب سمجھنے کا خیال بھی دلوں سے نکلتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ بڑے بڑے معلمین اخلاق بھی زنا کو ایک معمولی چیز سمجھنے لگے۔ اخلاق اور معاشرت کے بند جب اتنے ڈھیلے ہوگئے تو روم میں شہوانیت عریانی اور فواحش کا سیلاب پھوٹ پڑا۔ تھیٹروں میں بے حیائی و عریانی کے مظاہرے ہونے لگے۔ ننگی اور نہایت فحش تصویریں ہر گھر کی زینت کے لیے ضروری ہوگئیں۔ قحبہ گری

کے کاروبار کو وہ فروغ نصیب ہوا عورتوں اور مردوں کے بر سر عام یکجا غسل کرنے کا رواج بھی اس دور میں عام تھا۔ رومی لٹریچر میں فحش اور عریاں مضامین بے تکلف بیان کیے جاتے تھے اور عوام وخواص میں وہی ادب مقبول ہوتا تھا جس میں استعارہ و کنایہ تک کا پردہ نہ رکھا گیا ہو۔ بہیمی خواہشات سے اس قدر مغلوب ہو جانے کے بعد روم کا قصر عظمت ایسا پیوند خاک ہوا کہ پھر اس کی ایک اینٹ بھی اپنی جگہ پر قائم نہ رہی۔[xxvi]

روم میں اسقاط حمل کوئی ناجائز فعل نہ تھا چونکہ ازدواجی تعلق کی ذمہ داریوں کو بہت ہلکا سمجھا جانے لگا جس کی وجہ سے طلاق کی آسانیاں اس قدر بڑھیں کہ بات بات پر ازدواج کا رشتہ توڑا جانے لگا، بعد کے ادوار میں رومیوں نے عورت کو کچھ حقوق دے دیے تھے لیکن اس کے باوجود اس کو مرد کے مساوی درجہ کبھی نہیں ملا۔[xxvii]

فارس میں عورت:

فارس میں عورت کو جو مرتبہ تھا، سید امیر علی اس کا نقشہ کچھ اس طرح کھینچتے ہیں: "فارس کے سماج میں عورت کے پیدا ہونے کو پسند نہیں کیا جاتا تھا، وہ مرد کے زیر اثر اس کے ظلم کے پنجے میں رہتی تھی، مرد کو یہ اختیار حاصل تھا کہ اس کی موت کا فیصلہ کر دے یا زندگی کی نعمتیں رہنے دے، یہ اس کی مرضی پر منحصر تھا۔ مرد عورت کو گھریلو اشیا کی طرح استعمال کرتا تھا۔ مخصوص ایام میں عورت کو نجس سمجھا جاتا تھا، اسے الگ رکھا جاتا تھا، اسے چھونا بھی نجاست میں ہاتھ ڈالنے کے برابر سمجھا جاتا تھا۔[xxviii]

دیگر مذاہب میں عورت کا مقام

تاریخ اس بات کی گواہ رہی ہے کہ جو تکلیف دہ صورت مختلف تہذیبوں میں عورت کی نظر آتی ہے وہی اذیت ناک تصویر قدیم مذاہب بھی عورت کی دکھا رہے ہیں۔ حد تو یہ ہے کہ مختلف زمانوں اور مختلف مذاہب میں خدا کی طرف سے نیکی، شرافت، سیرت و کردار اور عفت و عصمت کی جو تعلیم آتی رہی ہے رفتہ رفتہ اسکا مطلب بھی یہ سمجھا جانے لگا کہ عورت سے تعلق انسان کو مصیبت اور گناہ سے قریب کرتا ہے زمانے کی رفتار کے ساتھ جیسے جیسے یہ تصور بڑھتا گیا۔ عورت سے نفرت اور بیزاری میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ اس کو شیطان کی آلہ کار، مصیبت کا دروازہ کہا گیا۔ ان تصورات کا اثر لازما عورت کی اجتماعی اور معاشرتی زندگی پر بھی پڑا اور اس طرح اس کو مذاہب اور معاشرے میں عزت و سربلندی کا وہ مرتبہ نہیں مل سکا جو مرد کو حاصل تھا۔ ہر مذہب نے عورت کے کردار کو مختلف طریقوں سے بیان کیا ہے اور اس کے مقام کو مختلف زاویوں سے اجاگر کیا ہے۔ بعض مذاہب میں عورتوں کو برابری کے حقوق دیے گئے ہیں، جبکہ دیگر میں انہیں مخصوص کرداروں تک محدود کیا گیا ہے۔ یہ بات بھی اہم ہے کہ ہر مذہب کی تعلیمات اور روایات وقت کے ساتھ بدلتی رہی ہیں، اور آج کے دور میں عورتوں کے حقوق اور مقام میں کافی تبدیلی آئی ہے۔ اس مضمون میں ہم مختلف مذاہب جیسے ہندو ازم، یہودیت اور بدھ ازم میں عورت کے مقام کا جائزہ لیں گے اور دیکھیں گے کہ کس طرح مختلف ثقافتوں اور عقائد نے عورت کو مختلف انداز میں پیش کیا ہے۔

یہودیت میں عورت:

یہودیت میں عورت کے بارے میں دو نظریات ہیں۔ ایک تو دنیا کے معاملے میں اس کا عملی کردار ہے اور دوسرا اس کا روحانی مقام ہے۔ روحانی ہونے کی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ وہ خدا سے زیادہ قریب ہے۔

یہودیت ایک نسلی مذہب ہے اور یہودی ان کے بقول اللہ کی منتخب قوم ہے۔ یہ مذہب بنیادی طور پر بنی اسرائیل ہی سے بحث کرتا ہے۔ بنی اسرائیل بلاشبہ ایک منتخب قوم تھے اور اللہ تعالی نے ان کی ہدایت کے لئے کئی رسول بھیجے، ان کے سب سے بڑے نجات دہندہ حضرت موسیٰ علیہ السلام تھے، جنہوں نے انہیں فرعون کی غلامی سے نجات دلائی، لیکن اس مذہب کی روایت بھی عورت کے بارے میں کچھ اچھا تصور نہیں پیش کرتی۔ ان کے نزدیک مرد نیک سرشت ہے اور حسن کردار کا حامل ہے اور

عورت بد طینت اور مکار ہے۔ یہودی فکر میں عورت کو سب برائیوں کی جڑ کہا گیا ہے۔ تورات کے مطابق بھی حضرت حوا رضی اللہ تعالی عنہا ہی حضرت آدم علیہ السلام کو جنت سے باہر نکالنے کا سبب تھی، اس لئے اللہ تعالی نے سزا کے طور پر اسے کہا کہ: "میں تیرے درد حمل کو بہت بڑھاؤں گا، تو درد کے ساتھ بچے جنے گی اور تیری رغبت اپنے شوہر کی طرف ہوگی اور وہ تجھ پر حکومت کرے گا۔

مذکورہ بالا آیات سے واضح ہوتا ہے کہ دراصل حوا نے ہی آدم کو گمراہ کیا۔ اس لئے اسے اس جرم کی سزا یہ دی کہ وہ حمل میں انتہائی تکلیف دہ صورت کا سامنا کرے گی اور ہمیشہ مرد کی محکومیت میں رہے گی۔ چناچہ یہودیت میں عورت کو کسی غلام و محکوم سے بڑھ کر نہیں مانا گیا ہے۔ عورت مکمل طور پر مرد کی دست نگر ہے۔ وہ مرد کی مرضی کے بنا کوئی کام نہیں کر سکتی، مرد جب چاہے اس کو گھر سے نکال دے (طلاق دے دے)۔ یہودی قانون شریعت کے مطابق عورت کے بارے مساوی حق کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔ مہر کے علاوہ عورت کسی چیز کی حقدار نہیں، وراثت میں بھی عورت کا نمبر پوتوں کے بعد آتا ہے۔ مرد وارث کی صورت میں وہ محروم رہے گی۔ بہر حال یہودی قانون و شریعت میں عورت کو ناپاک تصور کیا گیا ہے اور اس دنیا کی تمام آفات و مصائب کا سبب عورت کو مانا گیا ہے۔[xxix]

عہد وسطی کے یورپ میں عورت کو بائبل اور تالمود کی تعلیمات کے تحت دیکھا جاتا تھا۔ یہودی جس غیر یہودی معاشرے میں رہتے تھے اس میں عورت کا کام خاندان کی خدمت کرنا تھا۔ اس کو یہودی معاشرے میں بھی تسلیم کر لیا گیا، اگرچہ یہودیت میں عورت کو اعلیٰ مقام حاصل تھا، لیکن غیر یہودی معاشرے میں رہنے کی وجہ سے اس کے اثر سے اس کا سماجی مرتبہ بھی کم ہو گیا۔

1492 میں جب یہودیوں کو چین سے نکالا گیا تو اس بحرانی ماحول میں عورت کی ذمہ داریاں بڑھ گئی اور اس نے یہودی رسم و رواج کو برقرار رکھ کر مذہبی شناخت کے تسلسل کو قائم رکھا۔[xxx]

یہودیت میں شادی:

یہودیت میں شادی کو مرد اور عورت کے درمیان میں ایک ایسا بندھن تصور کیا جاتا ہے جس میں خدا بذات خود شامل ہے۔ گو کہ ان کے یہاں شادی کا واحد مقصد افزائش نسل نہیں ہے لیکن اس عمل کو افزائش نسل کے ربانی حکم کے پورا کرنے کا ذریعہ بتایا گیا ہے۔ اسی مقصد کے پیش نظر جب مرد و عورت شادی کے رشتے میں منسلک ہوتے ہیں تو انھیں یک جان دو قالب سمجھا جاتا ہے۔ اگر کوئی یہودی مرد شادی نہ کرے تو تلمود کی نگاہ میں وہ ایک "نامکمل" مرد ہے۔ عصر حاضر میں بعض یہودی فرقے ہم جنسی کی شادی کو درست سمجھتے اور افزائش نسل کے مقصد کو کمتر خیال کرتے ہیں۔

یہودی مذہبی راہنماؤں نے گھریلو تشدد، شادی اور طلاق کے بارے میں اصول اور قوانین بیان کیے ہیں۔ اس کے علاوہ عورت اپنے شوہر کی سختیوں سے تنگ آکر اگر طلاق لینا چاہتی تھی وہ عدالت سے رجوع کر سکتی تھی اس کے علاوہ وہ عورت جس کو اپنے شوہر کی شکل و صورت پسند نہیں ہوتی تھی وہ بھی طلاق کے لیے عدالت سے رجوع کر سکتی تھی، لیکن طلاق کے معاملات اتنی افراط سے رونما نہیں ہوتے تھے، کیونکہ یہودی مذہب میں عورت کو زد و کوب کرنا بہت ہی ناپسندیدہ عمل تھا۔ یہودی معاشرے میں بیوی سے مار پیٹ کرنے کی وجہ سے عورت مرد سے تو طلاق لینے کا حق رکھتی تھی، لیکن بیوی کی شکایت پر اسے جرمانہ بھی ادا کرنا ہوتا تھا[xxxi]

یہودیت میں تعلیم:

عورت کو ایک حد تک تعلیم حاصل کرنے کی آزادی تھی، تاکہ وہ گھر کے اخراجات اور آمدنی کا حساب رکھ سکے اور اس کی روز مرہ کی زندگی میں آسانی پیدا ہو۔ مذہبی تعلیم کو بھی اتنا ہی اہم گردانا جاتا تھا۔

یہودی عورتیں عیسائی عورتوں کو سود پر قرضے بھی دیتی تھیں اور اس وقت کی یہودی عورتیں دائی کا کام چرخہ کاتنا اور کپڑے بننے کے پیشے بھی اختیار کرتی تھیں، تاکہ اپنے گھریلو اخراجات میں بہتری لا سکیں۔

موجودہ زمانے میں امریکہ اور یورپ کے سماج میں رہتے ہوئے یہودیوں نے خود کو مغربی تہذیب سے ہم آہنگی پیدا کرلی ہے، لیکن انہوں نے اپنی مذہبی شناخت کو برقرار رکھا ہے اور ان کی عورتیں مذہبی پابندیوں سے آزاد ہو کر دنیاوی سرگرمیوں میں بھرپور حصہ لیتی ہیں، لیکن بہت سے مشرقی ممالک میں جہاں یہودی آباد ہیں وہاں قدامت پرستی کا تسلط ہے۔ اسرائیل میں بھی قدامت پرست مذہبی حلقے عورت کو دوبارہ سے مذہبی تعلیمات کے تحت اس کے مقام کا تعین کرنا چاہتے ہیں۔[xxxii]

ہندومت میں عورت:

ہندومت میں عورت کی حیثیت بھی کچھ ایسی ہی ہے۔ ڈاکٹر خالد علوی نے اپنی کتاب اسلام کا معاشرتی نظام میں ہندومت کی ایک تصویر کھینچی ہے۔ اس کے نقل کردہ چند اقتباسات سے اندازہ ہو سکے گا کہ ان کے ہاں عورت کا کیا مقام ہے؟۔ منوسمرتی میں عورت کے متعلق مختلف آراء کا اظہار کیا گیا ہے، جو اس کی حیثیت متعین کرتی ہیں، مثلاً: جھوٹ بولنا عورت کا ذاتی خاصہ ہے، عورت کے لئے ضروری ہے کہ وہ بچپن میں باپ کے اختیار میں رہے، جوانی میں شوہر کے ماتحت اور بیوہ ہونے کے بعد اپنے بیٹوں کے اختیار میں رہے، خود مختار ہو کر بھی نہ رہے۔ چانکیہ برہمن کے بقول: دریا، مسلح سپاہی، پنجے اور سینگ رکھنے والے جانور، بادشاہ اور عورت پر بھروسہ نہیں کرنا چاہئے۔

جھوٹ بولنا، بغیر سوچے سمجھے کام کرنا، فریب، حماقت، طمع، ناپاکی اور بے رحمی عورت کے جبلی عیب ہیں۔ شہزادوں سے تہذیب اخلاق، عالموں سے شیریں کلامی، قمار بازوں سے دروغ گوئی اور عورتوں سے مکاری سیکھنی چاہئے۔ آگ، پانی، جاہل مطلق، سانپ، خاندان شاہی اور عورت یہ سب موجب ہلاکت ہوتے ہیں، ان سے ہوشیار رہنا چاہئے۔ پھر رسم ستی خود اس بات کا ثبوت ہے کہ عورت کی کوئی حیثیت نہیں۔ صرف ۱۸۱۵ء سے لے کر ۱۸۲۵ء تک دس سال میں انہوں نے چھ ہزار عورتوں کو اس طرح ستی کر دیا۔ عورت کو خلع اور وراثت کا کوئی حق نہیں، اس کے رشتہ دار جائید ادلیں گے لیکن اس کو کوئی حصہ نہیں ملے گا۔ اسے مذہبی تعلیم سے محروم کیا جاتا تھا۔

ہندومت میں عورت کی کسی بات کو معتبر نہ سمجھا جاتا تھا۔ جھوٹ اور عورت کو لازم وملزوم قرار دیا گیا تھا۔ اس کے علاوہ فریب، حماقت، طمع، ناپاکی اور بے رحمی عورت کے جبلی عیب ہیں۔ ہندومت کے مطابق جھوٹ بولنا عورت کا ذاتی خاصہ ہے۔

ہندو معاشرے میں عورت جوئے میں ہاری جاتی تھی ایک عورت کے کئی شوہر ہوتے تھے۔ لڑائی میں ہار جانے کے ڈر سے عورتوں کو خود ان کے باپ، بھائی اور شوہر قتل کر ڈالتے تھے اور اس پر فخر کرتے تھے۔ اخلاقی حالت اتنی شرمناک تھی کہ محرمات تک سے تمتع بھی کار ثواب سمجھا جاتا تھا۔ عصمت کی کوئی قدر و قیمت نہ تھی۔ بڑے بڑے ذی وجاہت امراء کی عورتیں جامہ عصمت اتار پھینکتی تھیں۔[xxxiii]

بدھ مت میں عورت:

بدھ مت کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ اس مذہب میں بھی عورت کو کوئی بہتر مقام نصیب نہیں ہوا عورت کی تحقیر و تذلیل کے ثبوت ملے ہیں۔ حافظ محمد ثانی لکھتے ہیں کہ پانی کے اندر مچھلی کی ناقابل فہم عادتوں کی طرح عورت کی فطرت بھی ہے اس کے پاس چوروں کی طرح متعدد حربے ہیں اور سچ کا اس کے پاس گذر بھی نہیں ہے۔ بدھ مت کی تعلیمات اور عقائد کے مطابق عورت کی ذات مذہبی فرائض کی ادائیگی میں حائل ہوتی ہے مکتی اور نجات حاصل کرنے کے لیے اس سے دوری ضروری ہے۔
عورت ہی نجات حاصل کرنے کے راستے میں ایک بڑی رکاوٹ ہے۔ گوتم بدھ نے اپنے معتقدین کو حکم دیا کہ اگر تم نجات حاصل کرنا چاہتے ہو تو تمہیں اپنی عورتوں سے تعلقات منقطع کر لینے چاہئیں خود بدھا نے اپنی چہیتی بیٹی کو چھوڑ کر پہاڑوں میں سکونت اختیار کرلی تھی۔ مذہبی امور کی ادائیگی میں شرکت: تاریخ مذاہب میں مذکور ہے کہ

ہندوستان کی سرزمین میں بدھ مت ہی پہلا مذہب ہے کہ جس نے عورتوں کو مذہبی امور کی ادائیگی میں شریک کیا اور نہ برہمنوں نے عورتوں کو مذہبی معاملات سے بہت دور رکھا تھا۔ گوتم بدھ نے ایک زنانہ ادارہ قائم کیا۔

پروفیسر اقبال بھٹی صاحب بدھ مت میں عورت کی حیثیت اور مقام کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ بدھا کا شاہی خاندان کا فرد ہونا، عالم باعمل ہونا اور لوگوں کی بہبود کی کوشش وسعی کرنا لوگوں کو بہت متاثر کر گیا تھا اور بدھا نے اس وقت اصلاح کا بیڑا اٹھایا جب معاشرہ ہندومت کے ذات پات کے گھناؤنے نظام کے نیچے پس رہا تھا۔ عورت کی کوئی قدرومنزلت نہ تھی وہ بری طرح ذلیل ہو رہی تھی اس مذہب نے اسے سہارا دیا۔[xxxiv]

تاریخ بتلاتی ہے کہ بدھ کی زندگی میں 73 عورتوں اور 107 مردوں نے نروان حاصل کر کے انسانی زندگی کی بہترین حد تک پہنچنے کی کوشش کی تھی۔ جب بدھ مت کی تبلیغ ہو رہی تھی، تبھی عورتوں نے سب سے زیادہ مالی مدد کی تھی۔ ایک اور عورت کے متعلق، جس نے بدھ کو اپنے ہاتھوں سے کھانا کھلایا تھا، بدھ نے کہا:

ایک اعلیٰ مذہبی عورت جو بھوکوں کو کھانا دیتی ہے، وہ اسے کھانے کے ساتھ چار چیزیں دیتی ہے: "زندگی دیتی ہے، حسن عطا کرتی ہے اور خوشی و قوت دیتی ہے۔" بدھ نے ایک پیش گوئی یہ بھی کی تھی کہ عورتوں کو جماعت میں شامل کرنے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ 500 سال کے اندر اندر لوگ مذہبی ضوابط کو بھول جائیں گے۔ اشوک نے پاٹلی پتر میں بودھوں کی ایک مجلس کی اس وقت اس جماعت کے قانون اور ضابطوں کی تصحیح کی۔ اس مجلس میں بھکشونیاں، گرہست یا دونوں ہی شامل تھیں۔ کچھ بھکشونیاں بہت مشہور ہوئیں جن میں مہاپرجاپتی گوتمی، کھیما، اپالونا اور وساکھا قابل ذکر ہیں۔ ان عورتوں کا نام تیاگ، درگذر اور ریاضت کی وجہ سے امر ہو گیا اور بدھ مت کی تبلیغ میں ان عورتوں کا بہت بڑا ہاتھ ہے۔ تبت میں بدھ مت کی تبلیغ دوراج کماریوں نے کی تھی۔ انھوں نے تبت کے دار الحکومت لاشا میں بہت سے مندر بنوائے اور بہت سے مٹھ (مذہبی مدرسے) قائم کیے۔[xxxv]

سرمایہ دارانہ نظام میں عورت:

یوں تو تمام تر طبقاتی نظاموں نے عورت کو گھر کی باندی بنا کر رکھا ہے لیکن سرمایہ داری نے تو عورت کے استحصال کو کئی گنا بڑھا دیا ہے۔ ایک طرف سرمایہ دارانہ ترقی کے گن گائے جاتے ہیں اور بتایا جاتا کہ انسان آج مریخ تک پہنچ چکا ہے لیکن دوسری طرف پھر ہمیں نظر آتا ہے کہ اس تمام تر ترقی اور جدید تکنیک کی بدولت بھی سماج کی اکثریت کی زندگیاں انتہائی کرب اور اذیت میں ہی بسر ہو رہی ہیں اور اگر اس میں جنسی فرق کو بھی مدنظر رکھا جائے تو عورت کا استحصال تو دوہرا نتہر ہو جاتا ہے۔ پاکستان جیسے پسماندہ ملک میں آج بھی خواتین کی اکثریت کو گھر کے کام اور بچوں کو سنبھالنے سے فرصت نہیں ملتی، اس مصروفیت میں اس کا دن رات گزر جاتا ہے۔ مزدور طبقے کی عورت جو محنت مزدوری کے لئے گھر سے باہر جاتی ہے، اسے اس کام کے بعد بھی واپسی پر گھر کے تمام تر کام سنبھالنا پڑتے ہیں۔

ہمارے ہاں خواتین کی ایک بڑی تعداد کو امیروں کے گھروں میں محنت مزدوری کرنا پڑتی ہے۔ عموماً جو عورتیں سرمایہ داروں اور امیروں کے گھروں میں کام کرتی ہیں ان کی اگلی نسلوں کو بھی وہی کرنا پڑتا ہے۔ غربت اور مہنگائی سے تنگ ان محنت کش خواتین کو کم عمری میں ہی اپنے بچوں کو بھی اپنے ساتھ کام پر لگانا پڑتا ہے تاکہ وہ دو وقت کا کھانا کھا سکیں۔ یہ سب عورت مجبور ہو کر کرتی ہے۔ گھر میں کام کرنے والی عورت کو کسی بھی تہوار کی چھٹی نہیں ملتی، اگر کرے تو اسے کام سے فارغ کر دیا جاتا ہے، اور وہ غلامی کی زندگی گزارتی ہے۔ دوسری طرف اسی محنت کے سر پر سرمایہ داروں اور امیروں کے گھروں میں رونق قائم رہتی ہے۔ سرمایہ دار کے ہاں اگر یہ محنت کرنے والے کام کرنا چھوڑ دیں تو ان کے گھر میں کیڑے پیدا ہو جائیں گے۔ ان کی زندگیاں ہر حوالے سے انہی محنت کشوں کی محنت کے مرہون منت ہیں۔ ان کو نہ کھانا پکانا آتا ہے، نہ صفائی کرنی آتی ہے، یہ مزدور طبقے کے سر پر پر تعیش زندگی گزار رہے ہیں۔

یہ حالات محنت کشوں کو بار بار سوچنے پر مجبور کرتے ہیں کہ کیا کبھی ایسا ہو گا کہ انہیں یہ غلامی نہ کرنی پڑے اور وہ اپنے لیے جی سکیں۔ سرمایہ داری میں تو ہم بس اس لئے زندہ ہیں کہ دن بھر محنت مشقت کریں اور یہ سرمایہ دار پر سکون زندگی گزار سکیں اور حتی کے ہمیں کھانا تک اس لیے ملتا ہے تا کہ ان کا کام کرنے کے لیے زندہ رہیں۔ [xxxvi]

اسلام نے عورت کو گھر کی ملکہ بنایا سرمایہ دارانہ نظام نے ملکہ سے اسکا محل اس کی جائے قرار چھین کر اسے مادر پدر آزادی کے خواب دکھا کر اسے گھر بدر نہیں بلکہ در بدر کر دیا۔

خواتین کی اکثریت ضرورتاً نہیں بلکہ شوقیہ نوکری کرتی ہیں اور صرف اپنی ذاتی خواہشات کو پورا کرنے کے لیے۔ جو چند ہزار میں پوری ہو جاتی ہیں۔ جبکہ مرد پر ایک کنبے کی ذمے داری ہوتی ہے جو چند ہزار میں پوری نہیں ہو سکتی۔ تو اسی پوسٹ پر خواتین کو جاب دے کر سرمایہ دار اپنی ضرورت پوری کر لیتا ہے اس طرح مرد کا استحصال ہوتا ہے۔ دیکھا جائے تو اس میں مرد کے ساتھ ساتھ خود عورت کا استحصال بھی ہے کہ اس جاب کا تقاضہ تو زیادہ تنخواہ تھی مگر کم تنخواہ پر رکھ کر اس عورت کا استحصال ہوا مگر اکثر عورتیں اس سے ناواقف ہوتی ہیں یہ بھی ایک بڑی وجہ جس سے مردوں کی بے روزگاری میں خاطر خواہ اضافہ ہو رہا ہے۔ [xxxvii]

سوشلسٹ نظام میں عورت:

سوشلسٹ نظام میں عورت کے ساتھ سلوک میں بنیادی طور پر مساوات اور انصاف کی کوشش کی جاتی ہے۔ سوشلسٹ نظریہ یہ مانتا ہے کہ عورت اور مرد کے درمیان ہر سطح پر فرق کو ختم کرنا ضروری ہے تا کہ ایک مساوی معاشرہ قائم کیا جا سکے۔ اس نظام میں خواتین کو معاشی، سیاسی، اور سماجی حقوق کے لحاظ سے مردوں کے برابر سمجھا جاتا ہے۔ خواتین کو کام کی جگہوں پر برابر کی اجرت اور بہتر مواقع فراہم کیے جاتے ہیں، اور انہیں تعلیم، صحت، اور دیگر بنیادی سہولتوں تک رسائی میں کوئی امتیاز نہیں ہوتا۔

سوشلسٹ معاشرتی نظام میں خاندانی زندگی کی تنظیم بھی خواتین کے حقوق کو مد نظر رکھتے ہوئے کی جاتی ہے۔ گھریلو ذمہ داریوں میں عورتوں کو مساوی حصے کے طور پر شامل کیا جاتا ہے، اور اس کے ساتھ ساتھ وہ کام کے میدان میں بھی اپنی صلاحیتوں کا اظہار کر سکتی ہیں۔ یہ نظام یہ تسلیم کرتا ہے کہ عورتوں کی مکمل آزادی اور ترقی کے لیے ضروری ہے کہ وہ نہ صرف گھر میں بلکہ معاشرتی اور اقتصادی میدان میں بھی برابر کی شریک ہوں۔ خواتین کے لیے آزادانہ فیصلہ سازی اور خود مختاری کو یقینی بنانا سوشلسٹ نقطہ نظر کا حصہ ہوتا ہے۔

مجموعی طور پر، سوشلسٹ نظام میں عورتوں کے ساتھ سلوک میں مساوات کا بنیادی اصول اہمیت رکھتا ہے، مگر اس نظام کے عملی نفاذ کے لیے مسلسل سماجی، سیاسی، اور ثقافتی تبدیلیوں کی ضرورت ہوتی ہے تا کہ خواتین کو ہر شعبے میں مکمل اور برابر کے حقوق حاصل ہوں۔

عصر حاضر میں عورت کا مقام:

عورت کو گھر کی ملکہ بنایا گیا ہے۔ کسب مال کی ذمہ داری اس کے شوہر پر ہے اور اس کے مال سے گھر کا انتظام کرنا اس کا کام ہے۔ المراءۃ راعیۃ علی بیت زوجھا وھو مسئولۃ عورت اپنے شوہر کے گھر کی حکمران ہے۔ اور وہ اپنی حکومت کے دائرے میں اپنے عمل کے لیے جواب دہ ہے۔ مرد اور عورت کے دائرہ عمل کا تعین کوئی سرسری بات نہیں ہے یا یہ محض ایک ایشو نہیں ہے، بلکہ یہ تمدن کی ایک بڑی اہم اور اساسی نوعیت کی بنیاد ہے۔ معاشرے کی تعمیر کو درست خطوط پر استوار کرنے کے لیے ضروری ہے کہ فطرت نے جس کے ذمے جو فرض لگا دیا ہے وہ اسی کو ادا کرے۔ جہاں کوئی صنف اپنے حصے کا کام چھوڑ کر دوسری صنف کے کرنے کا کام سنبھالے گی وہ خود بھی نقصان اٹھائے گی اور معاشرہ بھی بری طرح اس کے نتائج کو بھگتے گا۔

ترقی کے نام پر عورت کو گھر سے باہر نکال کر کارخانوں میں لگادینے اور تمدن کی ترقی کے اہم ترین کارخانے کو نظر انداز کر دینے کے بارے میں مولانا مودودی فرماتے ہیں:

"یہ کہنا کہ پردے میں رہ کر عورت ملک کی ترقی میں معاون بننے کے بجائے رکاوٹ بنتی ہے اس کے جواب میں میں پوچھتا ہوں کہ ترقی میں آخر نئی نسلوں کو پرورش کرنا اور ان کو اچھی تربیت دینا بھی شامل ہے یا نہیں؟ وہ ملک کیسے ترقی کر سکتا ہے جس میں بچوں کو اول روز سے ماں اور باپ کی محبت نصیب نہ ہو اور پیدا ہوتے ہی بچوں کو وہ ادارے سنبھال رہے ہوں جن کے کارپرداز بہر حال ماں باپ کی جگہ نہیں لے سکتے۔ ان بچوں کو ابتدا ہی سے محبت کا کوئی تجربہ نہیں ہوتا۔ اور جن بچوں کو بچپن میں ماں باپ کی محبت نصیب نہیں ہوتی وہ حقیقت میں انسان بن کر نہیں اٹھتے۔ آج دنیا میں جو ظلم و ستم ہو رہا ہے اور کم سنی کے جرائم نے معاشرے کے لیے ایک پریشان کن مسئلہ پیدا کر دیا ہے، اس کا سبب یہی ہے کہ اب دنیا کی باگیں ان نسلوں کے ہاتھ میں آرہی ہیں جنھوں نے ماں باپ کی محبت نہیں دیکھی ہے۔ اور جہاں خون کے رشتوں تک میں محبت نہ ہو وہاں انسانی محبت کا کیا سوال؟ ایسے انسان تو پھر خود غرضی کے پہلے اور آدمیت کے احساسات سے خالی ہی ہوں گے۔"

یہ معلوم ہوتا ہے کہ مغرب میں خاندانی تعلق کا خاتمہ ہو چکا ہے۔ باپ کا بیٹی سے اور بیٹی کا ماں سے اور بھائی کا بھائی سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ سب کچھ اسی چیز کا نتیجہ ہے کہ ملک کی ترقی کا مفہوم صرف معاشی پیداوار کی ترقی سمجھ لیا گیا ہے۔ اس کے لیے عورتوں اور مردوں سب کو لا کر معاشی میدان میں کھڑا کر دیا گیا اور خاندانی نظام کے برباد ہونے کی کوئی پروا نہیں کی گئی۔ حالانکہ ترقی صرف معاشی پیداوار بڑھانے کا نام نہیں ہے۔ اگر عورتیں گھروں میں نئی نسل کو تربیت دیں انسانیت سکھائیں، ان کے اندر اعلیٰ اخلاق اور خدا ترسی پیدا کرنے کی کوشش کریں تو یہ بھی ترقی ہی کا ایک اہم ذریعہ ہے۔ ملک کی ترقی کا صرف یہی ایک ذریعہ نہیں ہے کہ مرد بھی کارخانوں میں جا کر کام کریں اور عورتیں بھی۔ بلکہ ترقی کا یہ بھی ایک بڑا ذریعہ ہے کہ گھروں میں بچوں کو انسانیت کی تربیت دے کر تیار کیا جائے تا کہ وہ دنیا میں انسانیت کے رہنما بننے کے قابل بنیں، چرندے اور درندے بن کر نہ اٹھیں۔ [xxxviii]

حقوق نسواں

حقوق نسواں سے مراد وہ حقوق (rights) اور قانونی استحقاق (cntitlement) ہیں جن کا مطالبہ دنیا کے بہت سے معاشروں میں خواتین اور لڑکیوں کی طرف سے کیا جاتا ہے اور جن کے مطالبہ نے انیسویں صدی کی حقوق نسواں تحریک (women's rights movement) اور بیسویں صدی کی تحریک نسائیت (feminist movement) کو بنیاد فراہم کی۔ دنیا کے کئی ممالک میں ان حقوق کو قانونی اور سماجی تحفظ حاصل ہے لیکن بہت سے ممالک میں ان حقوق کو غصب یا نظر انداز کیا جاتا ہے۔ حقوق نسواں کی اصطلاح میں تمام انسانی حقوق شامل کیے جاسکتے ہیں لیکن عمومی طور پر اس موضوع میں وہی حقوق شامل کیے جاتے ہیں جن کے استحقاق کے حوالے سے معاشرہ مرد اور عورت کے درمیان فرق روا رکھتا ہے۔ چنانچہ حقوق نسواں کی اصطلاح عام طور پر جن حقوق کے لیے استعمال کی جاتی ہے ان میں خواتین کے لیے جسمانی تحفظ کی یقین دہانی، معاشی خود مختاری، جنسی استحصال سے تحفظ، حکومتی اور سماجی اداروں میں برابری کی بنیاد پر ملازمتیں، مردوں کے برابر تنخواہیں، پسند کی شادی کا حق، افزائش نسل کے حقوق، جائداد رکھنے کا حق اور تعلیم کا حق شامل ہیں۔ [xxxix]

عیسائیت:

مسیحیت مذہب پہلی صدی عیسوی میں وجود میں آیا۔ یسوع مسیح جن کو اسلامی دنیا عیسیٰ ابن مریم کے نام سے پکارتی ہے، ان کو تثلیث کا ایک جزو یعنی خدا ماننے والے مسیحی کہلاتے ہیں۔ لیکن کچھ فرقے یسوع کو خدا نہیں مانتے وہ انھیں ایک نبی یا عام انسان مانتے ہیں، مسیحیت میں تین خداؤں کا عقیدہ بہت عام ہے جسے تثلیث بھی کہا جاتا ہے۔ عام طور پر مسیحی کہتے ہیں باپ، بیٹا، روح القدس ایک ہے اور وہ اپنے آپ کو موحدین (ایک خدا کے ماننے والے) کہتے ہیں۔ اور اسے توحید فی التثلیث کا نام دیتے ہیں۔

مسیحیت ایک سامی مذہب ہے۔ یہ تحقیق کے مطابق پوری دنیامیں اس کے لگ بھگ دو ارب پیروکار ہیں مسیحی یسوع مسیح پر اعتقادر رکھتے ہیں۔ مقدس بائبل مسیحیوں کی مقدس کتاب ہے۔

اب ہم ان حقوق پر روشنی ڈالتے ہیں جو اسلام نے عورتوں کو فراہم کیے اور یہ بھی کہ عیسائیت میں عورتوں کو کیا کیا حقوق دیے جاتے ہیں اور کون سے وہ حقوق ہیں جو صرف نام کے ہیں۔

عیسائیت میں عورت اور اسکے حقوق:

مسیحیت میں خواتین کے کردار اس کے قیام کے بعد سے مختلف ہیں۔ خواتین نے مسیحیت میں ایک اہم کردار ادا کیا ہے۔ خاص طور پر شادی میں اور بعض مسیحی فرقوں، گرجاگھروں اور پیرا چرچ تنظیموں میں رسمی وزارتی عہدوں پر۔ منظم چرچ میں بہت سے قائدانہ کردار خواتین کے لیے ممنوع قرار دیے گئے ہیں، لیکن زیادہ تر گرجاگھر اب کلیسیا میں خواتین کے کردار کے بارے میں مساوات (مرد اور خواتین کے برابر کردار) کا نظریہ رکھتے ہیں۔ رومن کیتھولک اور آرتھوڈوکس گرجاگھروں میں، صرف مرد پادریوں یا بزرگوں کے طور پر خدمت کر سکتے ہیں (بشپ، پریسبیٹر اور ڈیکن) صرف برہمی مرد ہی اعلیٰ قیادت کے عہدوں پر کام کرتے ہیں جیسے پوپ، سرپرست اور کارڈینلز، عورتیں ابیسس اور مقدس کنواریوں کے طور پر کام کر سکتی ہیں۔ مرکزی دھارے میں شامل پروٹسٹنٹ فرقوں کی ایک بڑی تعداد خواتین کو وزرا (پادری کا درجہ) کے طور پر مقرر کرنے پر اپنی دیرینہ رکاوٹوں کو نرم کرنا شروع کر رہی ہیں، حالاں کہ کچھ بڑے گروہ، خاص طور پر جنوبی بپتسمہ دینے والے کنونشن، رو عمل میں اپنی رکاوٹوں کو سخت کر رہے ہیں۔ زیادہ تر تمام کرشماتی اور چینی کاسٹل گرجاگھر اس معاملے میں علمبردار تھے اور خواتین کو اپنے قیام کے بعد سے تبلیغ کرنے کی اجازت دینے کو قبول کیا ہے۔

کچھ مسیحیوں کا خیال ہے کہ کلریکل (پادری) آرڈی نیشن اور نئے عہد نامے کے بعد کاہنیت کا تصور ہے اور اس میں اس طرح کی ترتیب یا امتیاز کے لیے کوئی وضاحتیں نہیں ہیں۔ دوسروں نے پریسبیٹر اور اسقف کے استعمال کا حوالہ دیا ہے۔ ابتدائی چرچ نے ایک خانقاہی روایت تیار کی جس میں کانونٹ کا ادارہ شامل تھا جس کے ذریعے خواتین نے بہنوں اور راہباؤں کے مذہبی احکامات تیار کیے، خواتین کی ایک اہم وزارت ہے جو آج تک اسکولوں، ہسپتالوں، نرسنگ ہومز اور خانقاہی بستیوں کے قیام میں جاری ہے۔[xl] اس تقابلی مطالعہ کا مقصد اسلام اور عیسائیت کے ساتھ ساتھ دیگر مذہبی و مغربی معاشروں میں عورتوں کے مقام اور حقوق کو سمجھنا ہے

اور اسلام کے بارے میں جو غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں انکو دلائل سے ثابت کر کے ان غلط فہمیوں کا ازالہ کرنا ہے، اب ہم عیسائیت میں عورتوں کے کچھ ان حقوق کا مطالعہ کریں گے جنکا اسلام کے ساتھ تقابل کیا جانا ضروری ہے۔

➢ عیسائیت میں خواتین کے حق وراثت میں حصہ:

حضرت عیسی علیہ السلام بنی اسرائیل کے آخری نبی تھے۔ انہیں مستقل کوئی نئی شریعت نہیں دی گئی تھی بلکہ وہ موسی علیہ السلام کی شریعت کے پابند تھے۔ اس لیے انجیل میں کوئی الگ احکامات نازل نہیں ہوئے وہی احکامات جو تورات میں موجود تھے وہ عیسائیوں کے لیے بھی تھے۔ انجیل کے مختلف نسخے ہیں جس میں ایک متی کے نام سے مشہور ہے اس میں لکھا ہے کہ یہ نہ سمجھو کہ میں توریت یا نبیوں کی کتابوں کو منسوخ کرنے آیا ہوں بلکہ پورا کرنے آیا ہوں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عیسائیوں کے لیے وہی قانون وراثت تھا جو یہودیوں کے لیے تھا۔

انجیل میں خواتین کے حق وراثت کا کوئی ذکر موجود نہیں ہے۔ لیکن عیسائیت کے چند مشہور سکالرز کی عبارات کو نقل کرتے ہیں جس سے اس بات کا اندازہ ہو جائے گا کہ مذہب عیسائیت میں خواتین کی کیا حیثیت ہے اور وراثت میں ان کو کیا حق ملتا ہے۔ عہد نامہ جدید کے ماہر اسکالر بین ویر کمٹن کا کہنا ہے:

بائبل نے خواتین کے کردار اور افعال کو گھر تک محدود رکھا ہے اور ان پر سختی سے درج ذیل پابندی عائد کی ہیں:

۱۔ وراثت کے حقوق پر پابندی۔

۲۔ تعلقات کے انتخاب پر پابندی۔

۳۔ مذہبی تعلیم حاصل کرنے کی مکمل صلاحیت یا مکمل طور پر عبادت خانے میں شریک ہونے پر پابندی۔

۴۔ نقل و حرکت کی آزادی پر پابندی۔ ایک اور سکالر مایکل برجر لکھتا ہے:

عیسائیت میں صرف مرد کے ذریعہ ہی جائیداد منتقل کی گئی ہے۔ جب تک مرد کا مذکر وارث نہ ہو تا خواتین کو وارث نہیں بنایا جاسکتا تھا، تورات میں پائے جانے والے اس طرح کے صنفی اختلافات بتاتے ہیں کہ خواتین کو مردوں کے ماتحت سمجھا جاتا تھا۔ تاہم وہ یہ بھی تجویز کرتے ہیں کہ بائبل کے معاشرے میں تسلسل جائداد اور خاندانی اتحاد کو اہمیت حاصل تھی۔

ان دونوں عبارتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ انجیل میں وراثت کے متعلق کوئی مستقل قانون نہیں تھا بلکہ تورات اور اور رومن قوانین کو اکٹھا کیا گیا تھا اور اس میں بھی وقت کے ساتھ مختلف تبدیلیاں کی گئیں۔

عیسائیت میں عورت کو روحانی برابری کا حق:

چرچ آف انگلینڈ میں ایک گروہ یہ کہہ رہا ہے کہ چرچ کی سروس کے دوران خدا کو "ہی" اور "شی" یعنی کہ مذکر اور مونث دونوں طرح مخاطب کیا جائے۔

سٹیون ناسکنز بی بی سی۔ کے لیے لکھتے ہیں کہ خدا کی جنس کا سوال عیسائی چرچ کے اوائل سے پوچھا جا رہا ہے۔ عیسائی چرچ کو خدا کی جنس سے ہمیشہ ہی کچھ مسئلہ رہا ہے۔ خدا کی کوئی جنس نہیں لیکن خدا سے مخاطب ہونے کے لیے اسے جنس دینا بھی بہت ضروری بھی ہے۔ خدا کے متعلق بات کرنے کے لیے ہمیں اسے کچھ کہنا ہے، اس لیے ظاہر

ہے کہ اسم ضمیر کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ انگریزی میں واحد حاضر کے لیے تین الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں: ہی، شی اور اٹ۔ اب ظاہر ہے کہ خدا کے لیے لفظ 'it' معیوب لگے گا، جیسے کہ خدا کشش ثقل یا افراط زر جیسی غیر ذاتی قوت ہے۔ سو خدا کو یا تو انگریزی کا 'he' ہوتا ہے یا 's h c' اور پدری سماج میں ان کے درمیان کوئی مقابلہ ہی نہیں۔

کیتھولک چرچ کی مذہبی تعلیم کے مطابق خدا نہ مرد ہے اور نہ عورت: " ہی از گاڈ (وہ خدا ہے)۔

کئی عیسائی گروہ اس سے بھی آگے نکل گئے ہیں۔ تیسری صدی عیسوی میں شام میں ایک چرچ مقدس روح کی عبادت مونث کے صیغے میں کیا کرتا تھا۔ اس کی ایک مقدس کتاب دی ایکٹس آف ٹامس میں بتایا گیا ہے کہ سینٹ ٹامس نے ایک مذہبی مجمعے سے بات کرتے ہوئے یکدم مقدس روح کو مخاطب کیا اور مونث کا صیغہ شی استعمال کرتے ہوئے اسے آواز دی۔

دیگر باطنی علوم کے مالک اور صوفیانہ عیسائی گروہ مرکزی دھارے کی عیسائیت سے آگے نکل گئے اور کہا کہ خدا کی مذکر اور مونث کئی شکلیں ہیں۔ مونث اشکال میں روحیں ہیں جیسا کہ آئی تھیا (سچ) سندزو (زندگی) اور صوفیہ (عقل) وغیرہ۔ ان کے عقیدے کے مطابق کائنات صوفیہ کے ذریعے وجود میں آئی اور وقت کے اختتام پر اس کی شادی کرائسٹ سے ہوگی۔ اگرچہ یہ چرچ کے نظریے سے بالکل مختلف ہے لیکن چرچ نے ان عیسائی کتابوں کو بھی قبول کیا ہے جن میں خدا کا نسائی روپ بھی دکھایا گیا ہے۔

چودھویں صدی میں عیسائی صوفی بزرگ جولین آف نورپچ نے کہا تھا کہ جس طرح خدا ہمارا باپ ہے، اسی طرح خدا ہماری ماں بھی ہے۔ انھوں نے عیسی کو بھی ماں کہہ کر مخاطب کیا۔ وہ عیسائیوں کے عقیدہ تثلیث یعنی، باپ بیٹا اور روح القدس کو بھی اس طرح بیان کرتی ہیں۔ ہمارا باپ چاہتا ہے، ہماری ماں عمل کرتی ہے، ہماری روح القدس تصدیق کرتی ہے۔ سینٹ آنسلم جو کہ گیارہویں صدی میں آرچ بشپ آف کینٹربری تھے، کرائسٹ کی عبادت کرتے ہوئے انھیں میری ماں کہتے تھے اور خدا کو عظیم ماں کہہ کر مخاطب کرتے تھے۔ سینٹ جان کرا سوسٹم کرائسٹ کو ہمارا دوست، رکن، سربراہ، بھائی بہن اور ماں کہتے تھے۔

1980 کے بعد بائبل کا نیا ترجمہ کیا گیا اور مین یا مرد کی جگہ ہیومن بینگز، یعنی انسان لکھا جانے لگا۔ تاہم بائبل کے زیادہ تر ترجمے اب بھی خدا کے لیے مذکر ہی کا صیغہ استعمال کرتے ہیں۔[xli]

➢ عیسائیت میں خواتین کے حقوق تفریح:

کتاب مقدس عہد نامہ قدیم وجدید کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ دین موسوی و مسیحی میں تفریحی مشاغل زندگی میں اہم حیثیت رکھتے ہیں۔ ناچنا، گانا، موسیقی، کھیل، تماشے، رسومات، تقریبات، ضیافتیں، شاعری، تماشہ گاہ، پہیلیاں، ساز و آواز وغیرہ کا ذکر موجودہ تورات و انجیل میں مختلف مقامات پر وارد ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان ادیان میں عام لوگوں یا پیروکاروں کے لیے لذتوں سے بھرپور زندگی کا تصور موجود ہے۔

کتاب سموئیل ۲ میں ذکر ہے کہ مقدس بادشاہ نے جب یروشلم فتح کیا تو وہ جشن فتح کے موقع پر ناچا جبکہ مقدس بادشاہ سلمان کی تخت نشینی کے واقعات میں درج ہے کہ اور انہوں نے بانسلیاں بجائیں اور بڑی خوشی منائی ایسا کہ زمین ان کے شور و غل سے گونج اٹھی۔

عہد نامہ قدیم کی کتاب خروج اور بائبل کے دیگر مقامات پر درج ہے کہ جب بنی اسرائیل کو خداوند نے فرعون اور اس کے سواروں نے بچایا تو بنی اسرائیل نے خوشی منائی اور اس تقریب کی ایک خاص بات یہ تھی کہ تب ہارون کی بہن مریم نبیہ نے دف ہاتھ میں لیا اور سب عورتیں دف لیے ناچتی ہوئی اس کے پیچھے چلیں اور مریم ان کے گانے کے جواب میں یہ گاتی تھی بنی اسرائیل کی عورتیں مریم کی قیادت میں خداوند کی حضوری میں گیت گاتے ہوئے ناچیں۔ اکثر چرچوں میں سکھایا جاتا ہے کہ ناچنا، روا نہیں ہے۔ زبور 149:3 میں لکھا ہے: وہ ناچتے ہوئے اسکے نام کی ستائش کریں۔ وہ دف اور ستار پر اسکی مداح سرائی کریں۔ اور کچھ ایسا ہی زبور 150:4 میں لکھا ہے: دف بجاتے اور ناچتے ہوئے اسکی حمد کرو۔ تار دار سازوں اور بانسلی کے ساتھ اسکی حمد کرو۔ اگر آپ خود خداوند کی حضوری میں خوشی سے نہیں ناچتے تو اسکا یہ مطلب نہیں کہ آپ دوسروں کو بھی اس سے روکیں مریم کے گیت کے الفاظ بھی وہی تھے جو کہ موسیٰ کے گیت کے تھے۔ اسلئے اسے کبھی کبھی موسیٰ اور مریم کا گیت بھی پکارا جاتا ہے۔
یہ تو قومی تہوار کے موقع

پر خواتین کے اجتماعی رقص اور گانے کا ذکر ہے جس نے مریم نبیہ بھی حصہ لیتی ہیں۔ جبکہ عہد نامہ قدیم کی کتاب لوقا میں ہے کہ مسیح نے ایک مثال بیان کی اور اس میں ضیافت کے موقع پر اظہار مسرت کے لیے گانے بجانے اور ناچنے کا ذکر ہے۔

موجودہ توریت وانجیل میں مختلف مقامات پر کھیل تماشوں کا ذکر ہے۔ عہد نامہ قدیم کی کتاب پیدائش میں یعقوب نبی کا ذکر ہے کہ وہ پو پھٹنے کے وقت تک ایک شخص سے کشتی لڑتا رہا جبکہ کتاب نوحہ میں تلوار بازی اور تیر اندازی کا ذکر ہے۔ عہد نامہ جدید میں بھی مختلف مقامات پر کھیلوں کا ذکر ہے۔ کتاب کرنتھیوں میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے والی دوڑ کا ذکر ہے اور جیتنے والے کے لیے انعام کا بیان ہے۔ نیز پہلوانوں کی مکہ بازی کو بیان کیا گیا ہے۔ مزید بر آن کتاب ذکریاہ میں نبی ذکریا رب الافواج کا پیغام سناتا ہے جس میں واضح طور پر کہا گیا ہے کہ شہر کے کوچے کھیلنے والے لڑکے لڑکیوں سے معمور ہوں گے کتاب اعمال میں تماشہ گاہ کا ذکر ہے اور اسکی طرف دوڑنے کا بیان ہے۔ اور کتاب قضاۃ میں سمسون نے ایک پہیلی اپنے رفیقوں سے پوچھی اور اس دلچسپ پہیلی کو بیان کیا گیا ہے، غرضیکہ بائبل میں مختلف دلچسپی تفریحی سرگرمیوں کا ذکر موجود ہے۔ تفریحی مشاغل میں شاعری ایک دلچسپ مشغلہ ہے۔ عہد نامہ قدیم میں ایک کتاب بعنوان غزل الغزلات شاعری سے بھرپور ہے۔ بلکہ شاعری کے ساتھ ساتھ گانے بجانے کا تذکرہ بھی کتاب مقدس میں جابجا موجود ہے۔ یہ گانا بمع آلات موسیقی بھی ہے اور بغیر آلات موسیقی کے بھی نیز اس گانے کو مذہبی تقدس بھی حاصل ہے۔ یہ موت پر گایا جاتا ہے اور شادی بیاہ پر نا صرف گانے بلکہ ناچنے کا بھی حسین امتزاج مذکور ہے۔ لہذا واضح ہوتا ہے کہ کتاب مقدس میں اگرچہ مختلف قسم کی تفریحی سرگرمیوں کا ذکر ہے مگر جو لوگ فقط ایسی سرگرمیوں میں ہی مگن رہتے ہیں ان پر اظہار افسوس بھی کیا گیا ہے۔

عیسائیت میں تفریحی سرگرمیوں کی اہمیت:

عیسائی معاشرے میں رہنے والے اور ہم کسی بھی طرح سے اس اثر ورسوخ سے محفوظ نہیں ہیں کہ ہم پسند کریں یا نہ کریں مگر اس فلسفے کو ماننا پڑے گا کہ ہمارے پاس بھی اپنے آباؤ اجداد کی نسبت تفریح کے لئے زیادہ وقت ہے۔ ہم یقینی طور پر ہم سے پہلے کی نسل سے زیادہ چیزیں برداشت کرسکتے ہیں۔ فارغ وقت کا مثبت استعمال کیا جا سکتا ہے اور ہماری خاندانی زندگی پر اس کے اچھے اثرات مرتب ہوسکتے ہیں، بشرطیکہ اس وقت کا ڈھانچہ ترتیب دیا جائے تاکہ کام، عبادت، تعلیم، وغیرہ پر زیادہ وقت نہ لگے۔ یقینا، تفریحی سرگرمیاں رب کے احکامات کی خلاف ورزی نہیں کرسکتی ہیں۔ بہت ساری تفریحی سرگرمیاں ہیں، جیسے کھیل، اچھی کتابیں پڑھنا، کھیل کھیلنا، کیمپنگ، فشینگ، بیک بیگ، اچھی موسیقی سننا، ایک اچھی ویڈیو دیکھنا، غیر متشدد کمپیوٹر گیمز کھیلنا جس میں مہارت کی ضرورت ہوتی ہے وغیرہ۔[xlii]

➢ عیسائیت میں عورت کو مذہبی قیادت کا حق:

عہد وسطی تک یہ روایت رہی کہ نہ تو پوپ، جو کیتھولک چرچ کا سربراہ تھا اور نہ ہی اور تھوڈوکس چرچ کے رہنما پیٹریارک کے عہدوں پر کوئی عورت فائز ہوسکتی تھی، یہاں تک کہ دوسرے نچلے درجے کے مذہبی عہدوں پر بھی کوئی عورت فائز نہیں ہوسکتی تھی اور چرچ میں مذہبی رسومات مرد پادری ادا کرتے تھے۔

عورتیں ننوں کی کانوئنٹ کی سربراہ ہوسکتی تھیں، اگرچہ پروٹسٹنٹ نے عورتوں پر سے پابندیاں اٹھائی ہیں، لیکن ان کے کئی فرقے ہیں جو اس پابندی کو برقرار رکھے ہوئے ہیں۔ مسیحیت میں ولی اللہ کا درجہ اس کو دیا جاتا ہے جس کی شخصیت مذہبی طور پر مقدس ہوتی ہے۔ یہاں مریم کو حضرت عیسی کی والدہ ہونے کی وجہ سے ولیہ کا درجہ حاصل ہے اور عورت ہونے کے باوجود ان کا احترام کیا جاتا ہے۔ حضرت مریم میری میگڈالین اور میری پیتھی کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ مسیحیت میں ان کی بہت عزت ہے۔ اس مذہب کی تاریخ میں کافی عورتوں کو ولیوں کا درجہ دیا گیا ہے، جن میں جون آف ارک اور موجودہ زمانے کی مدر ٹریسا شامل ہیں۔

عہد وسطی میں آتے آتے مسیحیت میں کافی تبدیلیاں آگئیں۔ مسیحی راہب جو اپنی زندگی عبادت کے لیے وقف کردیتے ہیں۔ وہ شادی نہیں کرتے تھے اور اپنی پوری زندگی خانقاہ میں عبادت کرتے ہوئے گزارتے تھے۔ اس طرح سے وہ عورتیں جو شادی نہیں کرتی تھیں وہ نن بن جاتی تھیں اور کانونٹ میں رہتے ہوئے اپنا وقت عبادت میں صرف کرتی تھیں۔ یہ کانونٹ ایک طرح سے شاہی خاندان اور امرا کی عورتوں کے لیے ایک پناہ گاہ بھی تھے اور خاندانوں کا ان عورتوں سے نجات پانے کا ایک ذریعہ بھی تھے جو خاندانوں کے لیے ناپسندیدہ تھیں یا جو سازشوں میں ملوث ہوتی تھیں۔ اس کی وجہ سے شاہی خاندان کی کئی شہزادیوں کو زبردستی نن بنا کر کانونٹ میں داخل کرا دیا گیا تھا۔

اس کی ایک مثال روس میں اس وقت دیکھنے میں آئی جب روس کے زار پیٹر نے اپنی ماں کو کانونٹ بھجوادیا کیوں کہ وہ سیاست میں دخل دیتی تھی۔ اس طرح اس نے اپنی ماں کی سیاست کا خاتمہ کر ڈالا۔

اسی طرح اطالوی سائنس دان گلیلیو اپنی دو بیٹیوں کی کفالت نہیں کر سکتا تھا، اس لیے ان کی پوری زندگی کانونٹ میں گزری۔

قدیم دور میں کچھ عورتوں نے اپنے آبائی مذاہب چھوڑ کر مسیحیت اختیار کر لی تھی جن کا اثر ان کے خاندانوں پر بھی ہوا جیسے کانسٹینٹین (وفات 3013) کی والدہ اور سینٹ آگسٹائن (وفات 430) کی والدہ جب مسیحی ہو گئیں تو انہوں نے اپنے بیٹوں کو مسیحیت اختیار کرنے میں مدد دی۔

سپین میں کسٹائل کی ملکہ ازابیلا اور اس کے شوہر فرڈینینڈ نے، جو آراگون کا حکمران تھا، 1492 میں سپین سے یہودیوں اور مسلمانوں کو بے دخل کر کے ملک کو مکمل طور پر مسیحی بنا دیا۔ ان دونوں حکمرانوں نے کولمبس کی سرپرستی کرتے ہوئے جنوبی امریکہ میں مسیحیت کی تبلیغ میں بھی مدد دی۔

جدید عیسائی فرقوں اور جماعتوں نے عورتوں کے مذہبی قیادت میں شامل ہونے کی حمایت کی ہے۔

میتھوڈسٹس فرقے میں عورتوں کو پادری اور بشپ کے عہدوں پر فائز ہونے کی اجازت ہے۔

لوتھران اس فرقے میں بھی عورتوں کو پادری اور مذہبی قیادت کے عہدوں پر فائز ہونے کی اجازت دی گئی ہے۔

اپیسکوپیلین فرقہ میں عورتیں بشپ، پادری اور مذہبی رہنما بن سکتی ہیں۔

جدید دور میں تحریک نسواں کے تحت عورتوں نے بائبل کی نئی تشریح کرتے ہوئے عورت اور مرد میں مساوات قائم کی ہے۔ پروٹسٹنٹ فرقے میں اب عورتیں چرچ میں مذہبی خدمات بھی سرانجام دے رہی ہیں۔[xliii]

عیسائیت میں عورتوں کا مذہبی قیادت میں حصہ مختلف فرقوں اور روایات کے مطابق مختلف ہے۔ قدیم عیسائی فرقوں میں عورتوں کو مذہبی قیادت کے عہدوں پر فائز ہونے کی اجازت نہیں تھی، جبکہ جدید فرقوں میں عورتوں کو مذہبی قیادت کے مختلف عہدوں میں شامل ہونے کی اجازت ہے۔ اس حوالے سے مختلف عیسائی کمیونٹیز میں مختلف نقطہ نظر اور روایات موجود ہیں۔

➢ عیسائیت میں عورت کو شادی کا حق:

عیسائیت میں شادی کو ایک مقدس اور اہم ادارہ سمجھا جاتا ہے۔ بائبل، خاص طور پر نئے عہد نامے میں، شادی کو خدا کی طرف سے دیا گیا ایک تحفہ قرار دیا گیا ہے جو مرد اور عورت کے درمیان ایک محبت، احترام اور باہمی تعاون پر مبنی اتحاد ہے۔

عیسائیت میں عورتوں کو شادی کرنے کا حق حاصل ہے۔ یہ ایک بنیادی انسانی حق ہے جسے عیسائی عقائد بھی تسلیم کرتے ہیں۔ عورتوں کو آزادانہ طور پر فیصلہ کرنے کا حق ہے کہ وہ شادی کرنا چاہتی ہیں یا نہیں اور اگر کریں تو کس سے، مساوی شراکت داری عیسائی تعلیمات بڑھتے ہوئے اس بات پر زور دے رہی ہیں کہ شادی میں مرد اور عورت برابر شراکت دار ہیں۔ یہ صرف ایک روایتی خاندانی نظام نہیں ہے جہاں مرد خاندان کا سربراہ ہو۔ بلکہ یہ ایک باہمی تعاون پر مبنی رشتہ ہے جہاں دونوں شریک زندگی ایک دوسرے کا احترام کرتے ہیں، مشترکہ ذمہ داریاں ادا کرتے ہیں اور فیصلے میں برابر شریک ہوتے ہیں۔ بائبل میں شادی کو ایک نعمت اور خدا کی طرف سے دیا گیا تحفہ سمجھا جاتا ہے۔ شادی میں مساوات اگرچہ روایتی تشریحات اکثر شادی کے اندر مختلف کرداروں کو تفویض کرتی ہیں، لیکن جدید عیسائی سوچ بڑھتے ہوئے شوہر اور

بیوی دونوں کی مساوات پر زور دیتی ہے۔ اس میں باہمی احترام مشترکہ ذمہ داریاں، اور شادی شدہ زندگی کے تمام پہلوؤں میں مکمل طور پر حصہ لینے کا حق شامل ہے۔

اختیار کی آزادی عیسائی تعلیمات عام طور پر شادی کے معاملات میں انفرادی آزادی اور انتخاب کے اصول کو برقرار رکھتی ہیں۔ عورتوں کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ شادی کریں یا نہ کریں اور وہ کس سے شادی کریں۔ عیسائی تعلیمات اس بات پر زور دیتی ہیں کہ شادی محبت، احترام اور باہمی تعاون پر مبنی ہونی چاہیے۔ بائبل میں واضح طور پر کہا گیا ہے کہ شوہر اپنی بیوی سے محبت کرے اور اس کا احترام کرے، اور اس طرح بیوی بھی اپنے شوہر کا احترام کرے۔

طلاق: طلاق کو عیسائیت میں ایک ناپسندیدہ عمل سمجھا جاتا ہے، لیکن بعض حالات میں جیسے کہ زنا یا سنگین معاملات میں طلاق کی اجازت دی جاتی ہے۔ تاہم، عیسائیت کی تعلیمات میں معافی، آشتی اور تعلقات کی مضبوطی پر زور دیا گیا ہے۔

➢ عیسائیت میں عورت کو تعلیم و ملازمت کا حق:

عیسائیت میں عورتوں کی تعلیم اور ملازمت کے حوالے سے مختلف فرقوں اور معاشرتی روایات میں فرق ہو سکتا ہے، لیکن عموماً عورتوں کو تعلیم حاصل کرنے اور کام کرنے کی آزادی دی گئی ہے۔

عورت کی تعلیم کا حق: عیسائیت میں عورت کو تعلیم حاصل کرنے کا حق دیا گیا ہے۔ بائبل میں خواتین کی تعلیم کی اہمیت پر زور دیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر پر دوربز 31:26 میں کہا گیا ہے کہ "وہ اپنی زبان سے حکمت کی باتیں نکالتی ہے، اور اس کے منہ میں تعلیم کی باتیں ہوتی ہیں"۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ بائبل عورتوں کے علم و حکمت کو قدر کی نگاہ سے دیکھتی ہے۔

عیسائی فرقوں کی روایات: مختلف عیسائی فرقے عورتوں کی تعلیم کے حوالے سے مختلف روایات رکھتے ہیں۔ قدیم فرقوں میں تعلیم میں محدودیت تھی، لیکن وقت کے ساتھ ساتھ عیسائی معاشروں میں عورتوں کو تعلیم دینے کی اہمیت بڑھ گئی ہے۔ یورپ میں عیسائی مشنری اداروں نے عورتوں کی تعلیم کے لیے اسکول اور یونیورسٹیاں قائم کیں۔ آج کے عیسائی معاشروں میں عورتوں کو تعلیم حاصل کرنے کے برابر مواقع دیے جاتے ہیں۔

مساوات: جدید عیسائی نظریات میں عورتوں کی تعلیم اور مساوات پر زور دیا گیا ہے۔ عورتوں کے لیے تعلیم کو ایک حق کے طور پر تسلیم کیا گیا ہے، اور اس میں کوئی تفریق نہیں کی جاتی۔

عورت کی ملازمت کا حق: عیسائیت میں عورتوں کو کام کرنے کا حق دیا گیا ہے، اور مختلف عیسائی معاشروں میں عورتوں کی شرکت معاشرتی اور اقتصادی ترقی میں اہم سمجھی جاتی ہے۔ بائبل میں عورتوں کے مختلف معاشی کرداروں کا ذکر کیا گیا ہے، جیسے پرووربز 31 میں ایک کامیاب عورت کا ذکر ہے جو گھر چلانے کے ساتھ ساتھ کاروبار بھی کرتی ہے۔

جدید عیسائی معاشرت: جدید عیسائی معاشروں میں، عورتوں کو مختلف شعبوں میں کام کرنے کے مواقع دیے جاتے ہیں۔ آج کل عیسائیت کے بیشتر فرقے عورتوں کی پیشہ ورانہ زندگی میں شرکت کو تسلیم کرتے ہیں، اور ان کے کام کرنے کی حمایت کرتے ہیں۔

خلاصہ کلام: عیسائیت میں عورتوں کے حقوق کا تصور بائبل کی تعلیمات اور تاریخی روایات کے امتزاج سے تشکیل پایا ہے۔ بائبل عورتوں کی روحانی برابری کو تسلیم کرتی ہے، لیکن عملی زندگی میں ان کے کردار کو اکثر روایتی حدود کا سامنا رہا۔ مذہبی قیادت میں عورتوں کی شرکت، خاص طور پر کیتھولک چرچ میں، محدود ہے، جبکہ پروٹسٹنٹ فرقے کچھ آزادی فراہم کرتے ہیں۔ ازدواجی زندگی میں بیوی کو شوہر کی اطاعت اور شوہر کو بیوی سے محبت کا حکم دیا گیا ہے۔ وراثت اور جائیداد کے حقوق میں تاریخی طور

پر عورتوں کو چیلنجز کا سامنا رہا، تاہم جدید عیسائی معاشروں میں حقوق کی یہ تفریق کم ہو گئی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ عیسائیت عورتوں کو روحانی برابری فراہم کرتی ہے، لیکن عملی حقوق کے نفاذ میں وقت اور سماجی حالات کے مطابق تبدیلیاں آتی رہی ہیں۔

اسلام:

اسلام ایک توحیدی مذہب ہے جو ساتویں صدی میں عرب کے علاقے مکہ میں حضرت محمد ﷺ کی نبوت سے شروع ہوا۔ یہ دین اللہ کی وحدانیت، انسانیت کی فلاح، اور عدل و انصاف پر مبنی ہے۔ قرآن پاک، اسلام کی مقدس کتاب کو اللہ کا کلام مانا جاتا ہے جو انسان کی رہنمائی کے لیے نازل ہوا۔ حدیث و سنت، یعنی نبی اکرم ﷺ کے اقوال و اعمال، اسلامی تعلیمات کا دوسرا اہم ذریعہ ہیں۔

اسلام کے پانچ بنیادی ارکان ہیں: کلمہ طیبہ اللہ کی وحدانیت اور محمد ﷺ کی رسالت کا اقرار، نماز، روزہ، زکوۃ اور حج۔ یہ ارکان انفرادی اور اجتماعی زندگی میں انسان کی روحانی اور عملی تطہیر کا ذریعہ ہیں۔ اسلام انسان کو حقوق و فرائض کا واضح شعور دیتا ہے اور ہر فرد کو مساوات، اخوت، اور انصاف کے اصولوں پر عمل کرنے کی تلقین کرتا ہے۔ عورتوں، یتیموں، غریبوں، اور معاشرے کے کمزور طبقوں کے حقوق کا تحفظ اسلام کی نمایاں خصوصیات میں شامل ہے۔ اسلام کا مقصد ایک ایسا معاشرہ قائم کرنا ہے جہاں اللہ کی رضا کے مطابق زندگی گزاری جائے اور انسانیت کو دنیا و آخرت کی کامیابی حاصل ہو۔

اسلام میں عورت اور اسکے حقوق:

موجودہ دور میں اسلام کے بارے میں جو غلطیاں پائی جاتی ہیں یا بالقصد پیدا کی جاتی ہیں، ان میں ایک یہ بھی ہے کہ اسلام نے عورت کو مرد کے برابر حیثیت نہیں دی ہے اور اس کی تنگ و دو پر اتنی پابندیاں عائد کر دی ہیں کہ وہ زندگی کی دوڑ میں لازماً پیچھے رہ جاتی ہے اور ہمیشہ مرد کی دست نگر رہتی ہے۔ حالانکہ یہ ایک حقیقت ہے کہ اسلام نے سب سے پہلے مساوات مرد و زن کا علم بلند کیا۔ اس نے کہا خدا کی نظر میں عورت اور مرد دونوں برابر نہیں اور ان کی کامیابی و ناکامی کے اصول بھی ایک ہیں۔ لیکن وہ

موجودہ دور کے اس تصویر مساوات کو غلط سمجھتا ہے کہ دونوں کو ایک میدان میں کام کی اجازت ہونی چاہیے۔ اس کے بغیر ان کے درمیان مساوات باقی نہیں رہ سکتی۔ اسلام کے نزدیک عورت کو گھر کی اور مرد کو باہر کی ذمہ داری اٹھانی چاہیے۔ اس لیے کہ دونوں کے دائرہ ہائے کار فطری طور پر الگ ہیں۔ عورت پر گھر کی ذمہ داری ڈالنے سے اس کی معاشی جدوجہد پر اثر پڑ سکتا تھا اس لیے اسلام نے صرف یہی نہیں کہ اسے معاشی ضمانت دی بلکہ سماجی و معاشرتی لحاظ سے بھی بہت ہی اونچا مقام عطا کیا۔ پھر یہ

کہ عورت پر گھر کی ذمہ داری ڈالنے کا مطلب یہ ہر گز نہیں ہے کہ امور خانہ داری کے سوا دنیا کے سارے کام اس کے لیے ممنوع ہیں۔ اسلام کا مقصد صرف یہ ہے کہ عورت اصلاً گھر کی مالکہ اور منتظمہ ہے۔ اسے باہر کی دنیا کو آباد کرنے کی فکر میں گھر کو اجاڑ نہیں دینا چاہیے۔ خانگی ذمہ داریوں کو پورا کرنے کے بعد وہ اپنے حالات، ذوق اور رجحان کے لحاظ سے زندگی کے مختلف میدانوں میں دلچسپی لے سکتی ہے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ مسلمان خواتین نے اپنے فطری دائرہ میں کام کرتے ہوئے بہت سے شعبوں میں فی الواقع دلچسپی لی اور حیرت انگیز کارنامے انجام دیئے۔ اب ہم ان حقوق پر روشنی ڈالتے جو اسلام نے عورتوں کو فراہم کیے اور صحیح معنوں میں زندگی گزارنے کا طریقہ بھی بتایا۔

➢ اسلام میں عورتوں کو حق وراثت:

اسلام نے عورتوں کو مردوں کے مساوی حقوق عطا کرتے ہوئے وراثت کا حق بھی عطا کیا ہے۔

ارشاد ربانی ہے:

لِّلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ ۚ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا[xliv]

ماں باپ اور رشتے داروں کے ترکے میں خواہ وہ تھوڑا ہو یا زیادہ لڑکوں کا حصہ ہے اور ماں باپ اور رشتے داروں کے ترکے میں خواہ وہ تھوڑا ہو یا زیادہ لڑکیوں کا بھی حصہ ہے اور یہ حصے خدا کی طرف سے مقررہ ہیں " یعنی اصولی طور پر لڑکا اور لڑکی دونوں وراثت میں اپنا اپنا مقررہ حصہ لینے کے حقدار ہیں اور کوئی شخص انہیں ان کے اس حق سے محروم نہیں کر سکتا۔

اس آیت سے یہ بات صاف طور پر ظاہر ہوتی ہے کہ میراث صرف مردوں کا ہی حصہ نہیں ہے، بلکہ عورت بھی میراث میں پوری طرح سے حصہ دار ہے اور یہ حصہ خود خدائے بالا و برتر نے مقرر کر رکھا ہے۔

والدین کے مال وراثت میں حق:

قرآن حکیم نے اولاد کے حق وراثت کا تعین کرتے ہوئے بھی خواتین کا حق وراثت بالتفصیل بیان کیا ہے:

يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ ۖ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ ۚ فَإِن كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ ۖ وَإِن كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ ۚ وَلِأَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ إِن كَانَ لَهُ وَلَدٌ ۚ فَإِن لَّمْ يَكُن لَّهُ وَلَدٌ وَوَرِثَهُ أَبَوَاهُ فَلِأُمِّهِ الثُّلُثُ ۚ فَإِن كَانَ لَهُ إِخْوَةٌ فَلِأُمِّهِ السُّدُسُ[xlv]

"تمہاری اولاد سے متعلق اللہ کا یہ تاکیدی حکم ہے کہ ترکے میں لڑکے کے لئے دو لڑکیوں کے برابر حصہ ہے۔ اگر اکیلی لڑکی ہو تو اسے آدھا ترکہ ملے گا اور (میت کے) ماں باپ میں سے ہر ایک کو ترکے کا چھٹا حصہ ملے گا بشرطیکہ وہ اپنے پیچھے اولاد بھی چھوڑے، اگر اس کے کوئی اولاد نہ ہو اور وارث ماں باپ ہی ہوں تو ماں کے لئے ایک تہائی ماں باپ کے ساتھ) بھائی بہن بھی ہوں تو اس کی ماں کا چھٹا حصہ ہو گا۔"

اس آیت مبارکہ میں یہ امر قابل غور ہے کہ تقسیم کی اکائی لڑکی کا حصہ قرار دیا گیا ہے، یعنی سب کے حصے لڑکی کے حصے سے گنے جائیں گے۔ گویا تمام تقسیم اس محور کے گرد گھومے گی۔ جاہلیت میں لڑکیوں کو ترکے میں حصہ نہیں دیا جاتا تھا۔ جیسا کہ اکثر دوسرے مذاہب میں اب بھی ہے لیکن اسلام کی نظر میں لڑکی کو ترکے کا حصہ دینا کتنا ضروری ہے، وہ اس سے ظاہر ہے کہ پہلے تو تقسیم وراثت کی عمارت کی بنیاد ہی لڑکی کے حصے پر رکھی پھر **يُوصِيكُمُ اللَّهُ** کہہ کر فرمایا کہ یہ اللہ تعالی کا نہایت تاکیدی حکم ہے۔

ایک صحابی سعد بن ربیع غزوہ احد میں شہید ہو گئے۔ انہوں نے اولاد میں صرف دو لڑکیاں چھوڑ دیں۔ سعد کے بھائی نے سارے ترکے پر قبضہ کر لیا اور لڑکیوں کو کچھ نہ دیا۔ اس پر سعد کی بیوہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور شکایت کی کہ سعد کی دو لڑکیاں موجود ہیں، لیکن ان کے چچا نے انہیں ان کے باپ کے ترکے میں سے ایک جبہ بھی نہیں دیا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ آپ ﷺ نے سعد کے بھائی کو بلوایا اور اسے حکم دیا کہ مرحوم کی دونوں بیٹیوں کو اس کے ترکے میں سے دو تہائی اور بیوہ کو آٹھواں حصہ دے دو اور بقیہ خود رکھ لو۔

شوہر کے مال وراثت میں حق:

قرآن حکیم نے شوہر یا بیوی میں سے کسی کے بھی انتقال کی صورت میں اس کے مال وراثت میں سے دوسرے فریق کا حصہ بالتفصیل بیان کیا ہے۔ بیوی کے انتقال کی

صورت میں خاوند کا حصہ بیان کرتے ہوئے کہا:

وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ أَزْوَاجُكُمْ إِن لَّمْ يَكُن لَّهُنَّ وَلَدٌ ۚ فَإِن كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ ۚ مِن بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِينَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ[xlvi]

"تمہاری بیویوں کے ترکے میں سے تمہارے لئے نصف ہے، اگر ان کے کوئی اولاد نہ ہو، اور اگر ان کے اولاد ہو تو تمہارے لئے انہوں نے جو ترکہ چھوڑا سے اس کا ایک چوتھائی ہے یہ (تقسیم) ان کی وصیت (کی تعمیل) اور ان کے قرض کی ادائیگی) کے بعد ہو گی۔"

اور شوہر کی وفات کی صورت میں بتایا:

وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ إِن لَّمْ يَكُن لَّكُمْ وَلَدٌ ۚ فَإِن كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُم ۚ مِّن بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوصُونَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ[xlvii]

اور تمہارے ترکے میں سے تمہاری بیویوں کا ایک چوتھائی حصہ ہے۔ اگر تمہارے کوئی اولاد نہیں۔ اگر تمہاری اولاد بھی ہو، تو تمہارے ترکے میں سے ان کا حصہ آٹھواں ہے۔ (یہ تقسیم) تمہاری وصیت کی تعمیل اور تمہارے قرض کی ادائیگی) کے بعد ہو گی۔

کلالہ کے مال وراثت میں حق:

کلالہ اس میت کو کہتے ہیں جس کے والدین ہوں نہ اولاد۔ ایسی عورت یا مرد فوت ہو جائے اور اس کے پیچھے نہ اس کا باپ ہو، نہ بیٹا، تو اس کی جائیداد کی تقسیم کی تین صورتیں ہو سکتی ہیں:

پہلی صورت یعنی سگے بھائی بہن موجود ہیں تو حکم دیا:

يَسْتَفْتُونَكَ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلَالَةِ ۚ إِنِ امْرُؤٌ هَلَكَ لَيْسَ لَهُ وَلَدٌ وَلَهُ أُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ ۚ وَهُوَ يَرِثُهَا إِن لَّمْ يَكُن لَّهَا وَلَدٌ ۚ فَإِن كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثَانِ مِمَّا تَرَكَ[xlviii]

اور لوگ آپ سے فتویٰ (یعنی شرعی حکم) دریافت کرتے ہیں۔ فرمادیجئے کہ اللہ تمہیں (بغیر اولاد اور بغیر والدین کے فوت ہونے والے) کلالہ (کی وراثت) کے بارے میں یہ حکم دیتا ہے کہ اگر کوئی ایسا شخص فوت ہو جائے جو بے اولاد ہو مگر اس کی ایک بہن ہو تو اس کے لئے اس (مال) کا آدھا (حصہ) ہے جو اس نے چھوڑا ہے اور (اگر اس کے برعکس بہن کلالہ ہو تو اس کے مرنے کی صورت میں اس کا بھائی اس (بہن) کا وارث (کامل) ہو گا اگر اس (بہن) کی کوئی اولاد نہ ہو۔"

ظاہر ہے کہ اگر بہنیں دو سے زیادہ ہوں تو وہ سب اس دو تہائی میں برابر کی شریک ہوں گی۔

دوسری صورت یہ ہے کہ علاتی بھائی بہن ہوں، یعنی باپ ایک ہو اور مائیں الگ الگ ہوں تو اس صورت میں حکم دیا:

وَإِن كَانُوا إِخْوَةً رِّجَالًا وَنِسَاءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ[xlix]

اور اگر بہت سے بھائی بہن ہوں تو پھر (تقسیم یوں ہو گی کہ) ایک مرد کا حصہ دو عورتوں کے برابر ہو گا۔ یعنی جیسے اولاد کے درمیان ترکے کی تقسیم کا اصول ہے.. ایک لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے برابر ہی یہاں بھی استعمال ہو گا۔

تیسری اور آخری صورت یہ ہے کہ اخیافی بھائی بہن ہوں یعنی عورت نے ایک خاوند کی وفات کے بعد کسی دوسرے شخص سے نکاح کر لیا اور دونوں سے اولاد ہو۔ اگر ان میں سے کوئی مر جائے اور کلالہ ہو:

وَإِن كَانَ رَجُلٌ يُورَثُ كَلَالَةً أَوِ امْرَأَةٌ وَلَهُ أَخٌ أَوْ أُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ ۚ فَإِن كَانُوا أَكْثَرَ مِن ذَٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَاءُ فِي الثُّلُثِ ۚ مِن بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصَىٰ بِهَا أَوْ دَيْنٍ غَيْرَ مُضَارٍّ[l]

"اور اگر کسی ایسے مرد یا عورت کی وراثت تقسیم کی جارہی ہو جس کے نہ ماں باپ ہوں نہ کوئی اولاد اور اس کا ماں کی طرف سے ایک بھائی یا ایک بہن ہو (یعنی اخیافی بھائی یا بہن) تو ان دونوں میں سے ہر ایک کے لئے چھٹا حصہ ہے پھر اگر وہ بھائی بہن ایک سے زیادہ ہوں تو سب ایک تہائی میں شریک ہوں گے (یہ تقسیم بھی) اس وصیت کے بعد (ہو گی) جو (وارثوں کو نقصان پہنچائے بغیر کی گئی ہو یا قرض (کی ادائیگی) کے بعد۔"

یعنی کلالہ کی وراثت کی تقسیم کے احکام میں بھی عورت کو حق وراثت کا مستحق قرار دیا گیا اور اس کے واضح احکام بیان کئے گئے۔[li]

➢ اسلام میں عورتوں کو مساوات کا حق:

اسلام - مساوات مرد وزن کا پہلا علم بردار عورت اور مرد کے درمیان زمانہ قدیم سے جو فرق و امتیاز تھا یہ اس کی بھی تردید ہے۔ اس میں یہ حقیقت واضح کی گئی ہے کہ انسان اول کا جوڑا کسی اور نوع سے نہیں تھا بلکہ اسی کی نوع سے تھا۔ کوئی دوسری مخلوق اس کی رفاقت کے لیے اس کے ساتھ لگا نہیں دی گئی تھی بلکہ وہ اس سے نکالی گئی تھی۔ اس اولین جوڑے سے بے شمار مرد اور عورتیں پیدا ہوئے، ان کے درمیان رشتے اور تعلقات قائم ہوئے اور پوری نسل انسانی پھیلی۔ اس لیے دونوں کے درمیان

فرق و امتیاز نوع انسانی کے ایک بازو اور دوسرے بازو کے درمیان فرق و امتیاز ہے۔ ایک کل کے دو اجزاء کے مابین تفریق ہے۔ مساوات مرد وزن اور دونوں کی یکساں حیثیت کے اظہار کے لیے اس سے بہتر تعبیر کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ اس کے ساتھ فرمایا گیا کہ سارے انسان ایک خدا کے بندے اور ایک ماں باپ کی اولاد ہیں، اس لیے انہیں ایک طرف تو خدا کی عبادت اور تقویٰ اختیار کرنا چاہیے اور اس سے ڈر کر زندگی گزارنی چاہیے، دوسری طرف جو رشتے اور تعلقات ان کے درمیان ہیں ان کا احترام کرنا چاہیے۔ اس میں مرد کے احترام کے ساتھ عورت کے بھی احترام کی تاکید تھی۔

عورت اور مرد کی کامیابی ایمان و عمل سے وابستہ ہے۔

اسلام نے اس تصور ہی کی جڑ کاٹ دی کہ مرد اس لیے باعزت اور سربلند ہے کہ وہ مرد ہے اور عورت محض عورت ہونے کی وجہ سے فروتر اور ذلیل ہے۔ اس کے نزدیک عورت اور مرد دونوں برابر ہیں۔ ازلی و ابدی طور پر نہ تو کسی کی برتری لکھ دی گئی ہے اور نہ کسی کی کم تری۔ اس میں سے جو بھی ایمان اور حسن عمل سے آراستہ ہو گا وہ دنیا اور آخرت میں کامیاب ہو گا اور جس کا دامن بھی ان اوصاف سے خالی ہو گا وہ دونوں ہی جگہ ناکام و نامراد ہو گا۔ قرآن پاک میں عورت اور مرد کے مساوات کو یوں بیان کیا گیا ہیکہ :

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّن ذَكَرٍ أَوْ أُنثَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهُ حَيَاةً طَيِّبَةً ۖ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَجْرَهُم بِأَحْسَنِ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ[lii]

جو شخص بھی نیک عمل کرے گا چاہے وہ مرد ہو یا عورت اگر وہ مومن ہے تو ہم (اس دنیا میں) اسے اچھی زندگی بسر کرائیں گے اور (آخرت میں) ایسے لوگوں کو ضرور ان کے اچھے کاموں کا اجر عطا کریں گے۔[liii]

➢ اسلام میں عورت کے حقوق تفریح:

اسلام کے تناظر میں کھیلوں میں خواتین کی شرکت سے وابستہ امور پر کچھ لوگوں نے تبادلہ خیال کیا ہے کہ (2005)، Livengood اور Stodolska (2004) , اور مارٹن اور میسن، (2003) جیسے اسکالرز نے اسلامی معاشروں میں دوسرے تمام معاشرتی اداروں میں مذہب کی حیثیت سب سے زیادہ اہم ہے اور زندگی میں اس کا

نمایاں مقام ہے۔ اسلام کے اثرورسوخ کی ہر شعبہ میں اور مسلمان کی زندگی کے تمام معاملات میں عکاسی ہوتی ہے کہ یا تو یہ کھیل ہے یا زندگی کا کوئی دوسرا کام۔ اسلام میں خواتین کو خصوصی مقام دیا گیا ہے۔ خصوصا اسلام میں خواتین کی طرز زندگی، رشتہ داروں اور دوسروں کے ساتھ تعلقات کی نوعیت کے حوالہ سے کہ معاشرے، اور اسی طرح، جیسا کہ خواتین کے لئے کھیل، اسلام اور "شریعت" کا ہے، یہ ایک سے متصادم نہیں ہیں بلکہ اسلام خواتین کے مابین کھیل کو فروغ دیتا ہے خواتین کے حوالے سے کچھ اسلامی اصول مہیا کرتے ہیں کھیل میں حصہ لینے سمیت "حجاب" (بالوں، چہرے اور اس کے دیگر خفیہ حصوں کا احاطہ کرنا، باڈی)، لباس کوڈ کی پابندی کرنا، جوئے سے پرہیز کرنا، مرد اور عورت کا مشترکہ کھیل کا سیشن اور آغاز کے ساتھ ہی کھیل میں حصہ لینے سے قطع نظر بلوغت، مسلم لڑکیاں معمول کی سرگرمیوں کے دوران حجاب پردہ کرنا شروع کر دیتی ہیں جہاں غیر محرم مرد کی موجودگی ہوتی ہے۔ کھیل کے میدان، اگر تمام حریف تماشائی اور منتظم خواتین ہوں اور کوئی غیر محرم نہیں دیکھ رہا ہے۔ پھر کوئی حجاب کی ضرورت نہیں ہے۔

کھیلوں سے خواتین کی ذہنی نشو نما: ذہنی نشو نما کا انحصار شخص کی جسمانی نشو نما پر ہوتا ہے جسمانی طور پر صحت مند ہوتے ہیں صحت مند دماغ رکھتی ہیں تو چاک و چوبند رہتی ہے بین الاقوامی سروے ہو چکے ہیں جن میں ذہنی نشو نما اور جسمانی نشو نما کے لیے قائم کیے گئے ہیں ہر طرح کی سہولت موجود ہوتی ہے۔ تیراکی، دوڑ، وغیرہ کے پروگرامز کیے گئے ہیں۔ یہ پروگرام مردوں کے ساتھ ساتھ عورتوں کے جسمانی اعضاء کے ساتھ ساتھ ذہنی چستی اور صحت کی وجہ بھی بنتے ہیں ورزش جیسے پروگرام ذہنی کارکردگی کو حیرت انگیز طور پر بڑھاتے ہیں عورتیں اس معاشرے کا آدھا حصہ ہے اور دنیا میں مردوں کے شانہ بشانہ ہر مشکل کام کر رہی ہیں نہ بنانے والی ورزش کی قسم جسمانی و ذہنی تناؤ کو دور کرتی ہیں عورتوں کے لیے ذہنی نشو نما بہت ضروری ہے کیونکہ بچوں کی پیدائش سے لے کر ان کی پرورش اور گھر سے باہر کام سرانجام دیتی ہیں۔

الغرض اس سے واضح ہوتا ہے کل کھیل۔ کود جیسی سرگرمیاں بہت ضروری ہیں اور عورتوں کی ذہنی نشو نما کے لیے ایسی کثرتی سرگرمیاں لازمی ہونی چاہیے۔

فرصت کے اوقات کا بہتر استعمال: خواتین فرصت کے اوقات میں تفریح اور ثقافتی سرگرمیوں میں حصہ لیتی ہیں جسمانی تعلیم اور کھیل کے میدان میں رقص شکار اور ماہی گیری جیسے افعال سرانجام دیتی ہیں آرام دہ اور پرسکون وقت میں کھیل کی مدد سے خود کو بہتر بنانے اور اپنی صلاحیتوں کو اجاگر کرتی ہیں معاشرے میں اگر عورت کی زندگی پر غور کیا جائے تو تفریحی سرگرمیوں سے خود کو مکمل کرنے کے لئے آرام دہ اور پرسکون ماحول کا ہونا بہت ضروری ہے تاکہ وہ کھیل میں شرکت کر سکیں اور کھیل کی سرگرمیاں اور مختلف مقاصد کا مقابلہ کر سکیں یہ مقاصد ان کو مضبوط ہونے اور ایک صحت مند زندگی کو برقرار رکھنے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔

Dr. Earle F. Zieglar اپنی رائے ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

Recreation assists man to become am artist in living

تفریح آدمی کو فن کارانہ انداز سے زندگی گزارنے میں مدد دیتی ہے۔

کھیلوں سے جسمانی قوت اور مہارت کی ترقی: کھیل کود خاص قسم کی مہارت پیدا کرتی ہے جو کہ کامیاب مستقبل کی ضمانت ہے یعنی مہارت جو کہ دباؤ اور تناؤ پر قابو پانے اور عورتوں کو آگے بڑھنے میں مدد دیتی ہے اور ساتھ ساتھ خود اعتمادی اور آگے بڑھنے کی خواہش کو بھی مضبوط کرتی ہے اور اس کا رویہ کے ساتھ اپنے مستقبل کی بنیاد بھی رکھ دیا کھیل خود اعتمادی کو اتنا اجاگر کرتی ہے کہ عورت کو پختہ یقین ہونے لگتا ہے کہ وہ اپنے اوپر اعتماد کر کے منزل حاصل کر سکتی ہے کھیل میں شرکت نے خواتین کو اپنے کردار اور ان کے نقطہ نظر کو تشکیل دینے میں مدد دی انہیں مہارت اور رویے دینے کے لیے ان کے اردگرد چیلنجوں کا جواب دینے کی صلاحیت میں دیتی ہے۔ **کھیل کود کے متعلق امام غزالی لکھتے ہیں کہ** جب بچہ مکتب سے پڑھ کر آئے تو اسکو کھیلنے کی اجازت دی جائے تاکہ اسکی جسمانی اور ذہنی تھکاوٹ دور ہو جائے اگر بچے کو کھیلنے سے روکا

گیا اور ہر وقت تعلیم میں لگنا اس کے دل کو مار دیتا ہے۔ اور اس کے ذہن کو کند کر دیتا ہے اور پھر اس جان چھڑانے کے بہانے تلاش کرتا ہے۔ **اور جان لاک اس بارے میں لکھتے ہیں کہ:**

A sound mind is in a sound body

صحت مند جسم میں ہی صحت مند دماغ پایا جاتا ہے۔

خواتین کے لیے صحت مند تفریح کا مرکز ویمن ڈھابہ: پاکستان میں ڈھابوں پر خواتین کی موجودگی کا تصور کچھ عرصہ قبل سامنے آیا جب پوش علاقوں کی خواتین نے ڈھابوں پر بیٹھ کر اس جگہ سے صرف مردوں کے لیے مخصوص ہونے کا لیبل بنا دیا۔ سوشل میڈیا پر شروع کی جانے گرلز ایٹ ڈھابہ نامی یہ تحریک خواتین کی خود مختاری کی طرف ایک قدم تھا۔ لیکن جس ڈھابے کی ہم بات کر رہے ہیں، وہ ان خواتین کے لیے ہے جو اپنے بنیادی حقوق سے محروم ہیں، کجا کہ وہ خود مختاری کا مطالبہ کریں۔ کراچی میں ویمن ڈویلپمنٹ فاؤنڈیشن نامی ایک تنظیم کی جانب سے قائم کیا گیا یہ ڈھابہ ماڑی پور میں ان خواتین کا مرکز بن چکا ہے جنہیں یا تو گھر سے نکلنے کی اجازت نہیں تھی، یا گھر سے باہر نکلنے کے لیے ان کے ساتھ کسی مرد کی موجودگی لازم ہے، یا پھر وہ خواتین جنہیں کچھ آزادی تو میسر ہے، لیکن ان کے لیے پورے علاقے میں کوئی تفریحی مرکز نہیں۔ دراصل اس طرف کبھی توجہ ہی نہیں دی گئی کہ گھروں میں رہنے والی خواتین کو بھی ذہنی سکون و تفریح کی ضرورت ہو سکتی ہے۔ ڈھابے پر آنے والی ایک خاتون بختیار کہتی ہیں، یہ ڈھابہ ہمیں تفریح کا موقع تو فراہم کرتا ہے، لیکن اس ڈھابے سے اپنائیت کا احساس اس لیے بھی ہوتا ہے کہ یہ صرف ہمارے لیے قائم کیا گیا ہے۔ کسی نے تو ہمیں بھی کچھ سمجھا، اور ہمارے بارے میں سوچا۔ کسی کو تو خیال آیا کہ عورتوں کو بھی تفریح کی ضرورت ہے۔ ویمن ڈھابے یا خواتین ڈھابے پر چائے اور کھانے پینے کی چیزوں کے ساتھ ساتھ لوڈو اور کیرم بھی رکھا گیا ہے جسے کھیل کر خواتین اپنے فرصت کے لمحات کو گزارتی ہیں۔ اپنی نوعیت کا یہ منفرد ڈھابہ نہ صرف ان خواتین کو صحت مند تفریح فراہم کر رہا ہے، بلکہ یہاں خواتین کو بہت کچھ سیکھنے کا موقع بھی مل رہا ہے۔ ڈھابے پر آنے والی خواتین کا ماننا ہے کہ وہ خوش قسمت ہیں کہ اس ڈھابے کی صورت میں انہیں ایک تفریحی سرگرمی میسر آ گئی ہے۔ وہ چاہتی ہیں کہ شہر کے دیگر پسماندہ علاقوں میں بھی ایسے مراکز قائم کیے جائیں تا کہ کم تعلیم یافتہ خواتین کو بھی تفریح کا حق حاصل ہو سکے۔[liv]

➢ اسلام میں عورتوں کو دعوت و تبلیغ کا حق:

اسلام کا ماننا یا نہ ماننا کوئی معمولی واقعہ نہیں ہے جس کا انسانی زندگی پر کوئی اثر نہ پڑتا ہو، بلکہ یہ اتنا بڑا واقعہ ہے کہ اس سے دنیا و آخرت کی کامیابی وابستہ ہے۔ جو لوگ اللہ کے اس دین کو قبول کریں ان کی یہ ذمہ داری ہے کہ اسے دوسروں تک پہنچائیں اور دنیا پر اس کی اہمیت واضح کریں۔ یہ ذمہ داری مردوں کی بھی ہے اور عورتوں کی بھی۔ چنانچہ دنیا میں اسلام اسی طرح پھیلا کہ دونوں نے اس ذمہ داری کو محسوس کیا اور اس کو پورا کرنے میں لگ گئے۔ مسلمان خواتین نے مشکل ترین حالات میں بھی اس فرض کو انجام دیا۔

1۔ حضرت انس کی والدہ ام سلیم بنت ملحان اپنی سوجھ بوجھ اور دانائی میں مشہور تھیں۔ علامہ ابن عبد البر روی ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

کانت من عقلاء النساء "عاقل اور دانا عورتوں میں سے ایک تھیں۔"

امام نووی تو اللہ فرماتے ہیں:

کانت من فاضلات الصحابیات "علم و فضل والی صحابیات میں ان کا شمار ہوتا تھا۔"

نیکی اور تقویٰ میں بھی ان کا بڑا اونچا مقام تھا۔ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے جنت کا مشاہدہ کیا۔وہاں میں نے کسی کی چاپ سنی۔میں نے دریافت کیا کہ یہ کس کے چلنے کی آواز ہے بتایا گیا خمیصاء (ام انس) کی آواز ہے۔[lv]

مدینہ میں اسلام پہنچا تو انہوں نے سبقت کی اور اسلام لے آئیں۔اس وقت ان کے شوہر مالک بن نضر مدینہ سے باہر تھے۔واپس ہوئے تو انہیں اس کا علم ہوا۔کہا کہ کیا بے دین ہوگئی ہو؟ جواب دیا نہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائی ہوں۔حضرت انس بن مالک گود میں تھے۔انہیں لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ بولنا سکھاتی تھیں۔یہ دیکھ کر شوہر نے کہا کہ میرے بچہ کا بھی دین نہ خراب کرو۔کہا: اس کا دین خراب نہیں کر رہی ہوں (بلکہ صحیح دین کی تعلیم دے رہی ہوں) شوہر کو اسلام کی دعوت دیتی رہیں لیکن انہوں نے قبول نہیں کیا۔خفا ہو کر شام چلے گئے۔وہیں ان کا انتقال ہو گیا۔شوہر کے انتقال کے بعد مشہور صحابی حضرت ابو طلحہ نے ان سے نکاح کرنا چاہا لیکن اس وقت تک وہ اسلام نہیں لائے تھے۔ام سلیم نے ان سے کہا کہ آپ مشرک ہیں اور میں اسلام لا چکی ہوں۔جب تک آپ بھی اسلام نہیں لے آتے ہم دونوں کا نکاح نہیں ہو سکتا، ام سلیم نے ان کے سامنے جس طرح شرک کی تردید کی اور توحید کو ثابت کیا اس کا ذکر متعدد روایات میں آتا ہے۔انہوں نے ان کو سمجھایا۔سوچیے! یہ پتھر اور لکڑی کے بت جن کی آپ پوجا کرتے ہیں ان کی حقیقت کیا ہے؟ فلاں قبیلہ کے سنگ تراش نے زمین سے پتھر اٹھایا اور بت بنا کر کھڑا کر دیا۔فلاں بڑھی نے لکڑی زمین سے نکالی اور ایک مورت بنا دی۔یہ آپ کو نہ تو نفع پہنچا سکتا ہے اور نہ نقصان۔آپ چاہیں تو لکڑی کے اس بت کو جلا کر راکھ کر سکتے ہیں۔اسے سجدہ کرتے ہوئے آپ کو شرم آنی چاہیے۔ظاہر ہے یہ گفتگو مختلف اوقات میں ہوئی ہو گی۔آہستہ آہستہ ان کے ذہن کی گرہیں کھل گئیں۔ایک دن انہوں نے کہا۔تمہاری بات میری سمجھ میں آگئی۔اب میں اسلام لاتا ہوں۔اس کے بعد ام سلیم نے ان سے کہا۔اب جب کہ اسلام قبول کر چکے ہیں تو ہم دونوں کا نکاح بھی ہو سکتا ہے۔چنانچہ ان کا نکاح ہوا اور حضرت ام سلیم نے (اس خوشی میں) ان سے مہر بھی نہیں لیا۔تبلیغ صرف زبان ہی سے نہیں ہوتی بلکہ آدمی کا کردار اور اس کا مضبوط رویہ بھی تبلیغ کا بہت بڑا ذریعہ ہے۔کسی مسلک پر انسان کی ثابت قدمی، اس کے لیے قربانی اور اسے غالب و سربلند دیکھنے کی تڑپ بعض اوقات وعظ و تبلیغ سے زیادہ کارگر ہوتی ہے اور بڑے بڑے لوگ اس سے متاثر ہو جاتے ہیں۔مسلمان خواتین کی استقامت اور ثابت قدمی نے اسلام کے سخت ترین مخالفین کو اپنی جگہ سے ہلا دیا ہے اور وہ اسلام کے بارے میں سوچنے اور اسے قبول کرنے پر مجبور ہوئے ہیں۔[lvi]

➢ اسلام میں عورتوں کو تعلیم کا حق:

آمد اسلام سے قبل سرزمین عرب میں ساری برائیاں پائی جاتی تھیں، وہاں پر بداخلاقی تھی، بد اعمالی تھی، شراب نوشی تھی، ظلم و جور تھا، قتل و غارت گری تھی، معاشرہ انتہائی پراگندہ ہو چکا تھا۔مذہب اسلام نے اس زمانہ کو زمانہ جاہلیت سے تعبیر کیا ہے، اس کا مطلب صاف ہے کہ تمام برائیوں، بے حیائیوں اور ناانصافیوں کا سرچشمہ جہالت ہے اور جہالت کا خاتمہ تعلیم سے ہی ممکن ہے، اسی لئے تعلیم کو مذہب اسلام نے بنیادی سرچشمہ قرار دیا ہے۔خالق کائنات نے جب حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا، تو سب سے پہلے تعلیم کا بندوبست کیا، انہیں چیزوں کے نام سکھائے، پھر فرشتوں سے مقابلہ کرایا، کامیاب ہوئے تو خلافت سے بہرہ ور کیا اور مسجود ملائکہ کے شرف سے نوازا، اس کے بعد رہنے سہنے کا انتظام کیا۔

تعلیم انسان و حیوان میں فرق و امتیاز پیدا کرتی ہے۔تعلیم ہی کے ذریعہ انسان انسانیت کے آداب و اصول کو سیکھتا ہے، اسے سنوارتا ہے اور سجاتا ہے۔تعلیم ہی سے

انسان اپنے مقام و مرتبہ کو پہچانتا ہے اور جہاں تعلیم نہ ہو نہ دنیا ہاتھ آتی ہے اور نہ دین۔دنیا ایک تعلیم گاہ ہے، ایک مدرسہ ہے، ایک سیکھنے کی جگہ، تمام انسان طالب علم ہیں، انبیاء کرام علیہ السلام خصوصی شاگرد ہیں اور تمام انسانوں کو پیدا کرنے والی ذات ہی معلم ہیں۔دنیا کی پیدائش ہی تعلیم کے مقصد سے ہوئی ہے۔طالب علموں کی سہولت اور کھانے پینے کیلئے زمین بنائی گئی، مطالعہ کیلئے روشنی کی ضرورت پڑ سکتی تھی تو چاند، سورج اور ستارے پیدا کئے گئے۔تعلیم کے بارے میں سب سے پہلا امتحان قبر میں ہو گا اور فائنل امتحان میدان محشر میں۔[lvii]

یہی وجہ ہے کہ وحی الہی کی ابتداء ہی اقرا (پڑھ) کے لفظ سے ہوئی ہے۔اللہ تعالی نے تعلیم کی اہمیت بتلانے کے لئے تعلیم کے آلات کی قسم اٹھائی:

نٓ ۚ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُونَ[lviii]

ترجمہ : ن قسم ہے قلم کی اور اس چیز کی جس کو لکھ رہے ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم[lix]

علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔"

عورتوں کی تعلیم کی اہمیت بتاتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: من عال ثلاث بنات فادبھن وزوجھن واَحسن الیھن فلہ الجنۃ[lx]

"جس نے تین لڑکیوں کی پرورش کی، ان کو تعلیم دی اور ادب سکھایا اور ان کی شادی کی، اور ان سے اچھا سلوک کیا تو اس کے لئے جنت ہے۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شفاء بنت عبد اللہ کو اپنی زوجہ محترمہ حفصہ کی تعلیم کتابت کے لئے بطور معلمہ مقرر کیا تھا۔ کچھ صحابہ کرام جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلیم حاصل کر کے گھروں کو واپس لوٹے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ارجعوا الی اَھلیکم فاقیموا فیھم وعلموھم ومروھم[lxi]

"جاؤ اپنی بیویوں اور بچوں کی طرف اور ان ہی میں رہو اور ان کو دین کی باتیں سکھاؤ اور ان پر عمل کرنے کا حکم دو۔"

اسلام میں عورتوں کو دینی اور دنیوی تعلیم سیکھنے کی نہ صرف اجازت دی گئی ہے، بلکہ ان کی تعلیم و تربیت کو اس قدر ضروری قرار دیا گیا ہے جس قدر مردوں کی تعلیم و تربیت ضروری ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دین و اخلاق کی تعلیم جس طرح مرد حاصل کرتے تھے اسی طرح عورتیں بھی حاصل کرتی تھیں، آپ صلی اللہ علیہ و سلم نے ان کے لئے اوقات متعین فرمائے تھے، جن میں وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے علم حاصل کرنے کے لئے حاضر ہوتی تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات خصوصاً حضرت عائشہ نہ صرف عورتوں کی، بلکہ مردوں کی بھی معلمہ تھیں، اور بڑے بڑے صحابہ کرام و تابعین اُن سے حدیث، تفسیر اور فقہ کی تعلیم حاصل کرتے تھے۔ اشراف تو درکنار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لونڈیوں تک کو علم و ادب سکھانے کا حکم دیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی تاریخ میں بہت ساری خواتین کے نام ملتے ہیں، جنہوں نے علمی میدان میں بہت بڑا نام پیدا کیا، جیسے حضرت عائشہ صدیقہؓ، حضرت حفصہؓ، حضرت ام سلمہؓ، حضرت فاطمہ الزہراؓ، حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ، حضرت ام ایمنؓ، حضرت ام الفضلؓ، حضرت ام ہانیؓ، حضرت ام عطیہؓ، حضرت اسماءؓ بنت یزید، حضرت شفاء بنت عبد اللہؓ، حضرت رفیعہ اسلامیہؓ وغیرہ۔ اس سے واضح ہے کہ اسلام تعلیم کو حق سے بڑھ کر فرض کا درجہ دیتا ہے اور مردوں کی طرح عورتوں کو بھی سو فیصد لکھا پڑھا دیکھنا چاہتا ہے۔[lxii]

➢ اسلام میں عورتوں کو شادی کا حق:

اسلام سے قبل عورتوں کو مردوں کی ملکیت تصور کیا جاتا تھا اور انہیں نکاح کا حق حاصل نہ تھا۔ اسلام نے عورت کو نکاح کا حق دیا کہ جو یتیم ہو، باندی ہو یا مطلقہ، شریعت کے مقرر کردہ اصول و ضوابط کے اندر رہتے ہوئے انہیں نکاح کے حق سے محروم نہیں کیا جا سکتا:

نکاح کا حق:

وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ أَن يَنكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ إِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُم بِالْمَعْرُوفِ[lxiii]

"اور جب تم عورتوں کو طلاق دو اور وہ اپنی عدت (پوری ہونے) کو آپہنچیں تو جب وہ شرعی دستور کے مطابق باہم رضامند ہو جائیں تو انہیں اپنے شوہروں سے نکاح کرنے سے مت روکو۔"

وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا يَتَرَبَّصْنَ بِأَنفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا ۖ فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا فَعَلْنَ فِي أَنفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ ۗ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ[lxiv]

"اور تم میں سے جو فوت ہو جائیں اور (اپنی) بیویاں چھوڑ جائیں تو وہ اپنے آپ کو چار ماہ دس دن انتظار میں روکے رکھیں پھر جب وہ اپنی عدت پوری ہونے) کو آ پہنچیں تو پھر جو کچھ وہ شرعی دستور کے مطابق اپنے حق میں کریں تم پر اس معاملے میں کوئی مواخذہ نہیں، اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے اچھی طرح خبردار ہے"

مہر کا حق:

وَآتُوا النِّسَاءَ صَدُقَاتِهِنَّ نِحْلَةً ۚ فَإِن طِبْنَ لَكُمْ عَن شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوهُ هَنِيئًا مَّرِيئًا[lxv]

اور عورتوں کو ان کے مہر خوش دلی سے ادا کیا کرو، پھر اگر وہ اس (مہر) میں سے کچھ تمہارے لیے اپنی خوشی سے چھوڑ دیں تو تب اسے (اپنے لیے) ساز گار اور خوشگوار سمجھ کر کھاؤ"

وَأَنكِحُوا الْأَيَامَىٰ مِنكُمْ وَالصَّالِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِمَائِكُمْ ۚ إِن يَكُونُوا فُقَرَاءَ يُغْنِهِمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ ۗ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ[lxvi]

"اور تم اپنے مردوں اور عورتوں میں سے ان کا نکاح کر دیا کرو (جو بغیر ازدواجی زندگی کے رو رہے) ہوں اور اپنے باصلاحیت غلاموں اور باندیوں کا (نکاح کر دیا کرو) اگر وہ محتاج ہوں گے (تو) اللہ اپنے فضل سے انہیں غنی کر دیگا اور اللہ بڑی وسعت والا بڑے علم والا ہے"

عدل وانصاف کا حق:

اگرچہ کئی معاشرتی اور سماجی حکمتوں کے پیش نظر اسلام نے مردوں کو ایک سے زائد شادیوں کا حق دیا، مگر اسے بیویوں کے مابین عدل وانصاف سے مشروط ٹھہرایا اور اس صورت میں جب مرد ایک سے زائد بیویوں میں عدل قائم نہ رکھ سکیں، انہیں ایک ہی نکاح کرنے کی تلقین کی:

وإن خفتم ألا تقسطوا في اليتامى فانكحوا ما طاب لكم من النساء مثنى وثلاث ورباع فإن خفتم ألا تعدلوا فواحدة أو ما ملكت أيمانكم ذلك أدنى ألا تعولوا[lxvii]

"اور اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ تم یتیم لڑکیوں کے بارے میں انصاف نہ کر سکو گے تو ان عورتوں سے نکاح کرو جو تمہارے لیے پسندیدہ اور حلال ہوں، دو دو اور تین تین اور چار چار (مگر یہ اجازت بشرط عدل ہے) پھر اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ تم (زائد بیویوں میں عدل نہیں کر سکو گے تو صرف ایک ہی عورت سے (نکاح کرو) یا وہ کنیزیں جو (شرعا) تمہاری ملکیت میں آئی ہوں یہ بات اس سے قریب تر ہے کہ تم سے ظلم نہ ہوں"

ان آیات مبارکہ سے واضح ہے کہ اسلام کا رجحان یک زوجگی کی طرف ہے اور ان حالات میں جہاں اسلام نے ایک سے زائد شادیوں کی اجازت دی ہے اسے عدل و مساوات سے مشروط ٹھہرایا ہے کہ مرد ان تمام معاملات میں جو اس کے بس میں ہیں مثلاً غذا، لباس، مکان، شب باشی اور حسن معاشرت میں سب کے ساتھ عدل کا سلوک کرے۔ گویا ایک سے زائد شادیوں کا قرآنی فرمان حکم نہیں بلکہ اجازت ہے جو بعض حالات میں ناگزیر ہو جاتی ہیں جنگ، حادثات، طبی اور طبیعی حالات بعض اوقات ایسی

صورت پیدا کر دیتے ہیں کہ معاشرے میں اگر ایک سے زائد شادیوں پر پابندی عائد ہو تو وہ سنگین سماجی مشکلات کا شکار ہو جائے جس کے اکثر نظائر ان معاشروں میں دیکھے جاسکتے ہیں جہاں ایک سے زیادہ شادیوں پر قانونی پابندی ہوتی ہے۔ تاہم یہ اسلام کا تصور عدل ہے۔ وہ معاشرہ جہاں ظہور اسلام سے قبل دس دس شادیاں کرنے کا رواج تھا اور ہر طرح کی جنسی بے اعتدالی عام تھی اسلام نے اسے حرام ٹھہرایا اور شادیوں کو صرف چار تک محدود کر کے عورت کے تقدس اور سماجی حقوق کو تحفظ عطا کر دیا۔

➢ اسلام میں عورتوں کو ملازمت کا حق:

عورتوں کی ملازمت کے مخالف نہیں ہیں کوئی شعبہ عورتوں ہی کے چلانے کا ہو تو وہ لازماً اس کے سپرد کی بجائے گا۔ مثلاً ہمیں لیڈی ڈاکٹروں کی بھی ضرورت ہے اور لڑکیوں کو نچلے درجے سے اعلیٰ درجے تک تعلیم دینے کے لئے معلمات کی بھی ضرورت ہے۔ ظاہر ہے کہ ان شعبوں میں عورتوں کی خدمات سے ہی استفادہ کیا جاسکے گا۔ اور یہ خدمت ان کے لئے فارغ البالی کا بھی ذریعہ بنے گی۔ لیکن یہ سمجھ لیں کہ ہم بہر حال عورتوں کو ملازمت کے میدان میں جھونکنا نہیں چاہتے۔ میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ کیا اس عورت کی حالت قابل رشک ہے جو شوہر کی خدمت بھی کرے گھر کا کاروبار بھی اٹھائے بچوں کے بار کو بھی سنبھالے اور پھر اپنی روٹی کی بھی فکر کرے؟ کیا وہ گھر جنت بن سکتا ہے جہاں میاں اور بیوی دونوں کمانے کے لئے نکل جائیں اور بچوں کو گلیوں میں آوارہ پھرنے کے لئے چھوڑ دیں یا نرسری کے حوالے کر جائیں پھر شام کو جب یہ لوگ تھکے تھکائے گھر پہنچیں تو بچوں سے پیار کیے بغیر اور ان کے دکھ سکھ کو جانے بغیر اوندھے منہ پڑے رہیں اور رات گزار کر پھر اپنی ڈیوٹی پر جا حاضر ہوں؟ اگر خدا نخواستہ کسی عورت پر یہ مصیبت آن پڑے اور بچوں کی معاشی کفالت کا بار خود اٹھانا پڑے تو اسلامی معاشرہ اسے یوں بے یار و مددگار نہیں چھوڑے گا۔ وہ نہ صرف اس کی امداد کرے گا۔ بلکہ ضرورت ہوئی تو وہ اس کو باعزت روزگار بھی فراہم کرے گا۔[lxviii]

خواتین کے لئے ملازمت کے سلسلہ میں چند ایسے شرعی حدود ہیں، جن کی پابندی کی صورت میں ان کے لئے ملازمت اور بیرون خانہ معاشی جدوجہد جائز ہوگی، بصورت دیگر ناجائز ہوگی، وہ شرعی حدود حسب ذیل ہیں:

مردوں کے ساتھ خلوت واختلاط نہ ہو۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:"وإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعًا فَاسْأَلُوهُنَّ مِن وَرَاءِ حِجَابٍ[lxix]

"(جب تم لوگ ان (عورتوں) سے کوئی سامان مانگو تو پردہ کے پیچھے سے مانگو)۔"

نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:"لایخلون رجل بامرأة۔

(ہر گز کوئی مرد کسی عورت کے ساتھ خلوت میں نہ رہے)۔"

وہ ملازمت ایسے عمل کی نہ ہو جس میں معصیت ہو کیونکہ عمل معصیت کی ملازمت مردوں اور عورتوں دونوں ہی کے لئے ممنوع ہے۔

مثلاً ڈھول بجانے وغیرہ کے اجارہ کو فقہاء نے اس لئے ناجائز قرار دیا ہے کہ وہ عمل معصیت ہے۔

عمل ملازمت معیوب نہ ہو، چاہے وہ عمل مطلقا معیوب ہو یا لڑکیوں کے لئے وہ عمل معیوب ہو۔

یہی وجہ ہے کہ فقہاء نے ولی کو یہ حق دیا ہے کہ ایسے عمل سے وہ اس کو روک سکتا ہے، جیسا کہ فتاوی ہندیہ میں مذکور ہے:

"إذا أجرت المرأة نفسها بما یعاب به کان لأھلھا أن یخرجوھا من تلک الاجارة (فتاوی ہندیہ: الباب التاسع عشر فی فسخ الاجارہ)۔

(جب عورت نے کسی ایسے عمل پر خود کو اجرت پر رکھا جسے معیوب سمجھا جاتا ہے تو اسکے گھر کے لوگوں کو یہ حق حاصل ہو گا کہ وہ اس کو اس اجارہ سے نکال دے)

گھر سے زیب وزینت اور خوشبو کے ساتھ نہ نکلے، علامہ ابن ہمام لکھتے ہیں: " جہاں بھی ہم (فقہاء) نے عورت کے لئے گھر سے نکلنا مباح قرار دیا ہے تو اس شرط کے ساتھ مباح ہے کہ زینت نہ ہو اور ہیئت اس قدر تبدیل ہو کہ اس کی ہیئت مردوں کی نظروں کیداعی اور مائل کرنے والی نہ ہوں " (فتح القدیر باب النفقہ)

شرعی حجاب کے ساتھ نکلے اور ملازمت کی جگھوں میں اگر مردوں سے سامنا ہوتا ہو تو مسلسل شرعی حجاب میں رہے اور اپنا چہرہ چھپائے رکھے۔

اللہ تعالی کا ارشاد ہے:يا ايها النبي قل لأزواجك وبناتك ونساء المؤمنين يدنين عليهن من جلابيبهن[lxx]

(اے نبی اپنی بیویوں، اپنی بیٹیوں اور مومن عورتوں سے کہہ دیجئے کہ وہ اپنے اوپر اپنی چادر لٹکالیا کریں)۔

مردوں سے بات چیت کی ضرورت در پیش ہو تو بات چیت میں لچک اور جنسی مذاق کا لہجہ اور انداز نہ ہو۔

اللہ تعالی کا ارشاد ہے: فلا تخضعن بالقول فيطمع الذي في قلبه مرض وقلن قولا معروفا[lxxi]

(تو تم بولنے میں نزاکت مت کرو، کہ ایسا شخص کو خیال ہونے لگتا ہے جس کے قلب میں خرابی ہے اور قاعدہ کے موافق بات کرو)۔

اگر گھر سے اتنی دور ملازمت ہو جہاں آنا جانا سفر کہلاتا ہو یا جہاں آنے جانے میں کسی فتنہ کا اندیشہ ہو تو کسی محرم کی معیت میں جائے۔[lxxii]

نتائج وسفارشات

نتائج:

اسلام میں عورتوں کے حقوق کا دیگر مذاہب، خصوصاً عیسائیت کے ساتھ تقابلی جائزے میں یہ واضح ہوتا ہے کہ اسلام نے خواتین کو جامع اور واضح حقوق دیے جو ان کی شخصیت، عزت، اور معاشرتی حیثیت کا تحفظ کرتے ہیں۔ اسلام میں وراثت، تعلیم، شادی میں رضامندی، طلاق، اور معاشی خود مختاری جیسے حقوق کو بنیادی حیثیت دی گئی جبکہ عیسائیت میں خواتین کے حقوق زیادہ تر ثقافتی اور کلیسائی تشریحات کے تابع رہے، جن میں کئی معاملات میں خواتین کو محدود حیثیت حاصل رہی۔ دیگر مذاہب جیسے ہندومت اور یہودیت میں بھی خواتین کے حقوق میں کمی اور پابندیاں دیکھی گئیں، جہاں سماجی روایات مذہبی احکامات پر غالب نظر آتی ہیں۔ اسلام کی منفرد بات یہ ہے کہ اس نے خواتین کو مردوں کے برابر روحانی مقام دیا اور ان کی عملی زندگی میں بھی توازن قائم رکھا۔ مجموعی طور پر یہ مقالہ ظاہر کرتا ہے کہ اسلام میں خواتین کے حقوق کا تصور زیادہ ہمہ گیر اور عملی ہے، جو انہیں عزت اور آزادی دونوں فراہم کرتا ہے۔

یہ بھی واضح ہوا کہ تمام مذاہب کی اصل تعلیمات اور ان کے عملی مظاہر میں فرق سماجی اور تاریخی عوامل کی وجہ سے پیدا ہوا۔ تاہم، اسلام نے خواتین کے حقوق کو زیادہ متوازن اور ہمہ گیر انداز میں پیش کیا، جو نہ صرف ان کی عزت و وقار کا تحفظ کرتے ہیں بلکہ ان کے عملی مسائل کا حل بھی پیش کرتے ہیں۔ یہ نتائج مختلف مذاہب کے حقوق نسواں کے تقابلی مطالعے کے لیے ایک ٹھوس بنیاد فراہم کرتے ہیں۔

سفارشات:

حکومت اور این جی اوز مل کر اسلامی تعلیمات کی روشنی میں خواتین کے حقوق کے بارے میں آگاہی مہمات چلائیں تاکہ لوگوں میں شعور بیدار ہو اور معاشرتی رویوں میں مثبت تبدیلی لائی جاسکے۔ خواتین کو معیاری تعلیم فراہم کرنے کے لیے خصوصی اقدامات کیے جائیں، کیونکہ تعلیم ان کے حقوق کے حصول اور خود مختاری کی بنیاد ہے۔

خواتین کے حقوق سے متعلق قوانین کا مؤثر نفاذ یقینی بنایا جائے اور ان کے ساتھ ہونے والی ناانصافیوں کے خلاف سخت کارروائی کی جائے۔ اسلامی اصولوں کے مطابق خواتین کے وراثتی حقوق کے تحفظ کے لیے اقدامات کیے جائیں اور اس حوالے سے موجود سماجی رکاوٹوں کو دور کیا جائے۔ شادی اور طلاق کے معاملات میں خواتین کے حقوق کے تحفظ کو یقینی بنایا جائے اور اسلامی تعلیمات کے مطابق ان کے فیصلوں کا احترام کیا جائے۔ خواتین کو پالیسی سازی کے عمل میں شامل کیا جائے تاکہ ان کی ضروریات اور مسائل کو بہتر طور پر سمجھا اور حل کیا جاسکے۔ غیر سرکاری تنظیمیں خواتین کو ان کے حقوق کے بارے میں آگاہ کرنے، قانونی مدد فراہم کرنے، اور معاشرتی دباؤ کو کم کرنے میں اپنا کردار ادا کریں۔

حوالہ جات

[i] تاریخ اور عورت، فضل تنہا غرشین

https://www.humsub.com.pk/500613/fazal-tanha-gharshin-21/

[ii ii] خواتین کی تاریخ

https://ur.wikipedia.org/s/g3vq

[iii] القرآن 58:16

[iv] القرآن 59:16

[v] سمیع اللہ، ڈاکٹر ریاض احمد الازھری "قبل از اسلام عرب سماج میں عورت کا مقام اور نکاح" ایک تحقیقی مطالعہ، اسلامیہ کالج پشاور: 4(2021ء)، 12

[vi] محمد بن عیسی، السنن الترمذی، کتاب السیر، باب ماجاء فی آمان العبد، 4: 85 حدیث 1579

[vii] سلیمان بن الاشعث، السنن أبو داود، کتاب الجهاد، باب فی سلح العدو، 5:3 8 حدیث 2765

[viii] محمد بن عیسی، السنن الترمذی، کتاب السیر، باب ماجاء فی الخروج، 4: 139 حدیث 1575

[ix] قیوم نظامی، عہد نبوی ﷺ میں خواتین کا کردار

https://www.nawaiwaqt.com.pk/11-Aug-2018/883910

[x] ترجمان القرآن، اسلامی معاشرت: عورت کا معاشرتی وسیاسی کردار، افشاں نوید، جون 2018

[xi] القرآن، 11:66

[xii] القرآن، 43:51

[xiii] القرآن، 11:66

[xiv] اسلام۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔کیوں؟؟ عورت قرآن کریم کی روشنی میں (وجود اور مقام)

https://ur.islamwhy.com/contents/view/details?id=494&cid=39

[xv] محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح البخاری، کتاب العلم، باب حل یجعل للنساء یوم علی حدة في العلم، 1، حدیث 101

[xvi] مسلم بن حجاج، الجامع الصحیح المسلم، کتاب الجهاد والسیر، باب تحریم قتل النساء والصبیان في الحرب، 3، حدیث 1364

[xvii] مسلم بن حجاج، الجامع الصحیح المسلم، کتاب الفضائل، باب رحمة النبی صلی اللہ علیہ وسلم للنساء 4 حدیث 73 27

[xviii] مسلم بن حجاج، الجامع الصحیح المسلم، کتاب البر والصلة والاداب، باب بر الوالدین وأنهما أحق بہ 4 حدیث 2548

[xix] اشفاق احمد، مختلف معاشروں میں عورت کی حیثیت وحالت، مغرب میں عورت کی حیثیت وحالت۔

https://punjnud.azurewebsites.net/ViewPage.aspx?BookID=4501&BookPageID=117373&BookPageTitle=R

m%20Mein%20Aurat%20Ki%20Hesiyat%20%20Haalat

[xx] ڈاکٹر مبارک علی، یونانی معاشرے میں عورت نامکمل انسان تھی، بدھ 19 جون 2019

https://www.independenturdu.com/node/956

[xxi] حافظہ حاجرہ مدنی، پاکستانی عورت کے معاشی مسائل اور کردار تحقیقی وتجزیاتی مطالعہ ــــــ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں، ایم فل مقالہ: علامہ اقبال اوپن

یونیورسٹی، اسلام آباد (2010)

[xxii] زکریا ورک، قدیم دور میں عورت کی حیثیت

https://jang.com.pk/news/641788-roles-of-a-woman-in-old-era

[xxiii] ڈاکٹر بشیر احمد رند، حقوق نسواں، قدیم وجدید تیز یبوں اور اسلام کی نظر میں ایک تقابلی مطالعہ، اسسٹنٹ پروفیسر سندھ یونیورسٹی، جامشورو، اپریل 2012

[xxiv] ڈاکٹر بشیر احمد رند، حقوق نسواں، قدیم وجدید تیز یبوں اور اسلام کی نظر میں ایک تقابلی مطالعہ، اسسٹنٹ پروفیسر سندھ یونیورسٹی، جامشورو، اپریل 2012

[xxv] اشفاق احمد، مختلف معاشروں میں عورت کی حیثیت وحالت، روم میں عورت کی حیثیت وحالت

https://punjnud.azurewebsites.net/ViewPage.aspx?BookID=4501&BookPageID=117373&BookPageTitle=Roo

[xxvi] مولانا ابوالاعلی مودودی، پردہ، اسلامک پبلیکیشنز (2000)

[xxvii] حافظہ حاجرہ مدنی، پاکستانی عورت کے معاشی مسائل اور کردار تحقیقی وتجزیاتی مطالعہ ــــــ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں، ایم فل مقالہ: علامہ اقبال اوپن

یونیورسٹی، اسلام آباد (2010)

[xxviii] ڈاکٹر بشیر احمد رند، حقوق نسواں، قدیم وجدید تیزیوں اور اسلام کی نظر میں ایک تقابلی مطالعہ، اسٹنٹ پروفیسر سندھ یونیورسٹی، جامشورو، اپریل 2012

[xxix] محمد اعظم، مختلف مذاہب میں عورت کا تصور، نومبر 2019

https://rafeeqemanzil.com/%D9%85%D8%AE%D8%AA%D9%84%D9%81

-D9%85%D8%B0%D8%A7%DB%81%D8%A8-%D9%85%DB%8C%DA%BA-%D8%B9%D9%88%D8%B1%D8%AA%

[xxx] ڈاکٹر مبارک علی، یہودیت میں عورت کو کیا مقام حاصل ہے؟ دسمبر 2019

https://www.independenturdu.com/node/24851/%D9%85%DB%8C%DA%AF%D8%B2%DB%8C%D9%86/%

D8%AA%D8%A7%D8%B1%DB%8C%D8%AE%DB%8C%DB%81%D9%88%D8%AF%DB%8C%D8%A

[xxxi] یہودیت میں شادی، وکی پیڈیا، آزاد دائرہ المعارف

https://ur.wikipedia.org/wiki/%DB%8C%DB%81%D9%88%D8%AF%DB%8C%D8%AA_%D9%85%DB%8

[xxxii] ڈاکٹر مبارک علی، یہودیت میں عورت کو کیا مقام حاصل ہے؟ دسمبر 2019

https://www.independenturdu.com/node/24851/%D9%85%DB%8C%DA%AF%D8%B2%DB%8C%D9%86/%D8%AA%D8%A7%D8%B1%DB%8C%D8%AE%DB%8C%DB%81%D9%88%D8%AF%DB%8C%D8%A

[xxxiii] حافظہ حاجرہ مدنی، پاکستانی عورت کے معاشی مسائل اور کردار تحقیقی و تجزیاتی مطالعہ ـــــــ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں ایم فل مقالہ: علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد (2010)

[xxxiv] پروفیسر ڈاکٹر حافظ سید ضیاء الدین، عورت قبل از اسلام و بعد از اسلام، النور ہیلتھ ایجوکیشن ٹرسٹ 14 اگست 2006، ص 60

[xxxv] بدھ مت میں خواتین، ویکیپیڈیا

https://ur.wikipedia.org/s/fxwl

[xxxvi] مدیحہ سیف، سرمایہ دارانہ نظام میں عورت کی زندگی

https://www.marxist.pk/life-of-women-in-capitalism

[xxxvii] میمونہ یحیی، سرمایہ کی دوڑ اور عورت، جسارت بلاگ

https://www.jasarat.com/blog/2023/03/06/memoona-yahiya-2

[xxxviii] ترجمان القرآن، عصر حاضر میں مسلم خواتین اور مولانا مودودی، ڈاکٹر رخسانہ جبین، اکتوبر 2003ء

[xxxix] حقوق نسواں، ویکیپیڈیا

https://ur.wikipedia.org/wiki/%D8%AD%D9%82%D9%88%D9%82_%D9%86%D8%B3%D9%88%D8%A7%

[xl] مسیحیت میں خواتین، ویکیپیڈیا

https://ur.wikipedia.org/wiki/%D9%85%D8%B3%DB%8C%D8%AD%DB%8C%D8%AA

[xli] خدا کے لیے صرف مذکر ہی کیوں؟؟؟ اردو نیوز بی بی سی جون 2015

https://www.bbc.com/urdu/world/2015/06/150602_god_male_as

[xlii] کومل شہزادی، فاخرہ تحسین، "سامی ادیان (یہودیت، عیسائیت اور اسلام) میں خواتین کے حقوق تفریح: تقابلی مطالعہ، رفاہ انٹرنیشنل یونیورسٹی، فیصل آباد کیمپس، جی سی ویمن یونیورسٹی سیالکوٹ، 2022

[xliii] ڈاکٹر مبارک علی، مسیحیت میں عورت کا کردار اماں حوا نے متعین کر دیا تھا، جنوری 2020

https://www.independenturdu.com/node/25391/%D9%85%DB%8C%DA%AF%D8%B2%DB%8C%D9%86/%D8%AA%D8%A7%D8%B1%DB%8C%D8%AE%D9%85%D8%B3%DB%8C%D8%AD%DB%8C%D8%A

[xliv] القرآن: 4،7

[xlv] القرآن: 4،11

[xlvi]القرآن:4،12

[xlvii]القرآن:4،12

[xlviii]القرآن:4،176

[xlix]القرآن:4،176

[l]القرآن:4،12

[li]شیخ الاسلام ڈاکٹر طاہر القادری، اسلام میں خواتین کے حقوق، منہاج القرآن پبلیکیشنز اشاعت 9 جولائی 2019

[lii]القرآن:16،97

[liii]سید جلال الدین عمری، عورت اور اسلام، ناشر عبد الحفیظ احمد، جون 2011

[liv]کومل شہزادی، فاخرہ تحسین، "سامی ادیان (یہودیت، عیسائیت اور اسلام) میں خواتین کے حقوق تفریح: تقابلی مطالعہ، رفاہ انٹرنیشنل یونیورسٹی، فیصل آباد کیمپس، جی سی ویمن یونیورسٹی سیالکوٹ، 2022

[lv]ابو الحسین مسلم بن الحجاج، الجامع الصحیح المسلم، کتاب فضائل، باب فضائل ام سلیم، حدیث 6320

[lvi]سید جلال الدین عمری، عورت اور اسلام، ناشر عبد الحفیظ احمد، جون 2011

[lvii]مولانا محمد طارق نعمان گڑنگی، اسلام میں عورتوں کی تعلیم کی اہمیت، روزنامہ دنیا، جنوری 2023

https://dunya.com.pk/index.php/special-edition/2023-01-13/3452

[lviii]القرآن:68،1

[lix]ابو عبد اللہ محمد بن یزید، السنن ابن ماجہ، کتاب السنتہ، باب فضل العلماء والحث علی طلب العلم، حدیث 224

[lx]سلیمان بن الاشعث، السنن ابو داؤد، کتاب الادب، باب فی فضل من عال یتامی، حدیث 5147

[lxi]محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح البخاری، کتاب الاذان، باب الاذان للمسافرین، حدیث 631

[lxii]ڈاکٹر بشیر احمد ند، حقوق نوں قدیم وجدید تیزیوں اور اسلام کی نظر میں ایک تقابلی مطالعہ، اسٹنٹ پروفیسر سندھ یونیورسٹی جامشورو، اپریل 2012

[lxiii]القرآن 2،232

[lxiv]القرآن:2،234

[lxv]القرآن:4،4

[lxvi]القرآن:32،24

[lxvii]القرآن:4،3

[lxviii]مولانا مودودی، اسلام اور مسلم خواتین

[lxix]القرآن:33،53

[lxx] القرآن:33،59

[lxxi] القرآن:33،32

[lxxii] خواتین کی ملازمت اور اسلامی تعلیمات جدید فقہی تحقیقات، طباعت فروری 2010